أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

علوم الحدیث

از

حضرت مولینا شاہ محمد جعفر الدین میاں صاحب پھلواروی
ندوی خطیب شاہی مسجد لاہور

در مطبع نگینہ پریس طبع گردید

شکریہ

V-96

میں اپنے صوبہ کے محکمہ تعلیم کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے اپنی روایتی علم دوستی کی بنا پر میری اس ناچیز تالیف کی قدردانی کی۔ اور اس کی طباعت کے لئے ایک رقم عطا کی۔ یہ رقم آنریبل مسٹر سید عبدالعزیز صاحب بیرسٹرایٹ لا وزیر تعلیم صوبہ بہار کی عطا فرمودہ ہے۔ وزیر موصوف ہمارے صوبہ کے ہردلعزیز لیڈر ہیں۔ جن کی رہنمائی پر نہ فقط وزارت تعلیم بلکہ بہار و اڑیسہ کی ساری آبادی مسرور ہے۔ ایسے ہردلعزیز فرض شناس وزیر کا شکریہ ادا کرنا عین انصاف ہے۔ میں اُن کا دل سے شکرگذار ہوں

مؤلف

فہرست مضامین

اور اِس راہ میں ایک انسان جتنے مُصائب برداشت کر سکتا تھا۔ اِسے برداشت کیا حضرت امام ابوحنیفہ، مالک، سفیان، اوزاعی۔ شافعی، عبداللہ بن المبارک، وکیع عبدالرحمٰن ابن مہدی، احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ رحمہم اللہ اجمعین) اور ان کے علاوہ بے شمار علمائے اسی کے حاصل کرنے اور پھر دوسروں تک پہنچانے میں اپنی زندگیاں تمام کیں۔ اسی کے لئے آہین وماموں نے امام مالک رح کے آستانہ کی جبہ سائی کی۔ اور انہیں کی کتاب موطا کے حصول کے لئے چھٹی صدی کے انتہائی ترین بادشاہ صلاح الدین ایوبی نے قاہرہ سے اسکندریہ کا سفر گوارا کیا۔

الغرض علماء و محدثین و امراء وقت کی یہ گرویدگی اسی لئے تھی۔ کہ اس کا دین سے گہرا تعلق تھا۔ اور دین اسکے بغیر نامکمل تھا۔ اور تمام حیثیات سے دین کو مکمل کرنا بھی ضروری تھا۔ جب علم حدیث کی عظمت کا یہ حال ہے۔ کہ ہر بڑا اور چھوٹا انسان کسی نہ کسی پہلو سے اِسکی خدمت کرنی اپنی انتہائی سعادت سمجھتا ہے۔ اور آج اس دور انحطاط میں بھی ہند اور بیرون ہند سے علم حدیث کی کوئی نہ کوئی خدمت ہو رہی ہے۔ تو پھر میرے لئے بھی اسکے ذریعہ سعادت حاصل کرنا بہت بڑا فخر تھا کیونکہ ہر انسان اپنے لئے کسی انتہائی سعادت کا طالب ہے۔ جو اس کی دُنیا اور آخرت کو سدھار دے۔ یہی سبب تھا۔ جس نے مجھے برطالب حدیث سے اِس فن شریف کی خدمت کے لئے بیتاب رکھا۔ میں سوچتا تھا۔ کہ علم دین کے اِس اہم باب میں اپنی سعادت تلاش کروں۔ کہ دل نے اس کی ایک مفصل تاریخ لکھنے کی آمادگی ظاہر کی۔ اور میں نے اللہ پاک کی نصرت و تائید کا بھروسہ کر کے عربی زبان میں اس کی داغ بیل ڈال دی۔ مگر معاً اُردو زبان کی جو ہندوستان میں مُسلم اور غیر مسلم اقوام کی متحدہ زبان ہے۔ بیچارگی کا خیال دامنگیر ہوا۔ میں نے سوچا۔ کہ اُردو جہاں اس قلیل مدت میں بے شمار علمی خزانوں کی مالک بن چکی ہے۔ وہاں ابھی تک اور بیش بہا جواہر ریزوں سے خالی ہے۔ کیا عجب۔ کہ اس ناقص تصنیف کے اردو کے قالب میں ڈھل جانے سے۔ اُردو دینیات ادبیات

مُقدّمہ

علمِ حدیث اپنی گُوناگُوں عظمتوں کے باعث دین کا اہم ترین جُز ہے۔ اور دین کی تکمیل اِس کے بغیر ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کا حصول لازمی اور ضروری قرار دیا گیا ہے۔ دُنیا میں جتنے علوم وفنُون ہیں۔ سب کے مدارج ہیں۔ اور سب کی ایک خاص غرض ہے۔ تاریخ اِس لئے ہے۔ کہ اِس سے قوموں کے عرُوج وزوال اخلاق وعادات علم وعمل کا پتہ لگے۔ اور پچھلے دَور میں اگلوں کی خوُبیاں رائج کرکے اِسے بھی ایک کامیاب وکامران دور بنایا جائے۔ ادب وزبان دانی اِس لئے ہے۔ کہ اِس سے زبان کی اصلی حلاوت وشیرینی کا پتہ لگے۔ اور زبان کے اندر پوشیدہ افکار وخیالات کی فہم وبصیرت حاصل ہو۔ اِسی طرح اَور مختلف قدیم وجدید فنُون ہیں۔ جن کی خاص خاص غرضیں ہیں اور خاص خاص مقاصد۔ لیکن وہ عِلم جو خالص دینی علم ہے۔ اور جس کے بغیر دِین کا سمجھنا قطعاً محال ہے۔ اِن تمام سے زیادہ لائقِ پذیرائی اور سب سے زیادہ محتاج حصُول ہے اِسی لئے اُمّت کے نگہبانوں نے اُسے ہر طرح روشن ونمایاں کیا ہے۔ اور عظیم اہمیت عطاء فرمائی ہے۔ اِس کے رطب ویابس؟ جید وردی، اعلیٰ وادنیٰ کس طرح مرتب کیے۔ اور اسکے لئے کیا کیا مصائب جھیلے۔ امام بخاری نے تمام اسلامی دُنیا چھان ڈالی

کے اندر بعض خاص مباحث لکھنے سے رہ گئے۔ اور افسوس ہے۔ کہ ان کے تشفی بخش صورت میں نہ ہونے کے سبب چھوڑ دیا گیا۔ ابواب اور مباحث کی ترتیب میں سب سے پہلے حجیت حدیث کو اس لئے مقدم کیا گیا۔ کہ موجودہ انکار حدیث کا فتنہ ایک حد تک عام ہو گیا ہے۔ اس لئے قبل اس کے کہ اسکی فنی حیثیت پر بحث کی جائے۔ نفس ضرورت حدیث پر بحث کرنے کی ضرورت تھی۔

کتاب کی تالیف ان نامناسب حالات میں ہوئی ہے۔ کہ مختلف موانعات و مشاغل کا ہجوم ہے۔ اور سکون قلب کے تمام سامان بالکل مفقود، لیکن پھر بھی اللہ رب العزت کی نصرت و تائید پر بھروسہ کرکے طبع کرائی گئی۔ کتابت اور بعض اغلاط اگر کتاب میں موجود رہ جائیں۔ تو ان کے لئے عفو کی درخواست ہے۔ اور مؤلف کے لئے دعاء خیر کی تمنا۔ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

والسلام

خاکسار

عزالدین خطیب شاہی مسجد

لاہور

۱۹ رجادی الاخری

سنہ ۱۳۵۴ھ

میں کوئی اضافہ ہو جائے۔ نیز اس موضوع پر اُردو زبان میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اور اگر لکھی گئی۔ تو میری نظر سے نہیں گذری۔

اِس لئے اس کا اُردو میں ہی لکھا جانا اشد ضروری تھا۔ کہ اُمت اس چیز کو محسوس کرے۔ کہ آج سلف کی جس عظیم المرتبت خدمت کو پامال کیا جارہا ہے اور حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کی جو کوشش کیجارہی۔ وہ کہاں تک قابلِ التفات ہے۔ اور انکار حدیث کا جو فتنہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ امڈا چلا آتا ہے۔ وہ کس طرح خرمن دین وایمان پر بجلیاں گرارہا ہے۔ آج اس فتنہ کا انسداد اسی طرح ہو سکتا ہے۔ کہ دُنیا کے سامنے حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اہمیت کو پوری طرح واضح کیا جائے۔ اور صریح اور غیر مشتبہ الفاظ میں بتادیا جائے۔ کہ دُنیا کے آخری ہادی کا ہر ہر لفظ اپنی پوری صداقت، تجلی، عرفان کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے۔ اور ہم ہر طرح اُسے تیرہ صدیوں سے آج تک جان سے زیادہ عزیز اور متاع گراں قدر سے زیادہ محفوظ رکھتے آئے ہیں۔ یہ بتایا جائے۔ کہ اس کی حیثیت فقط گذشتہ تاریخی واقعات و قصص کی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت اِس وحی کی ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکل کر لفظاً و معناً ہم تک پہنچی ہیں۔ ہمارا دین سراپا محتاج حدیث ہے اور ہماری تمام دینی ترقیاں اسی سے وابستہ ہیں۔

اِس کتاب میں علم حدیث کی درجہ بدرجہ تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اور خصوصیّت کے ساتھ اس دور کی سب سے زیادہ اہم بحث یعنی ضرورت حدیث ومقام حدیث پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

بتایا گیا ہے۔ کہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دین ومسائل دین کا نہ فقط جزء بلکہ بطور علت نامہ کے ہے۔ اور دین کا فہم اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے پھر حدیث کی درجہ بدرجہ تدریجی ترقی، اور اس کی تدوین کے تمام مراحل بیان کئے گئے ہیں۔ جو ایک طالب حدیث کے لئے باعث بصیرت ہیں۔ کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حجیتِ حدیث

یعنی

حدیث کی دینی حیثیت و عظمت

(۱) موجودہ دور میں جہاں مسلمانوں کے دین پر مختلف قسم کے بیرونی و اندرونی حملے ہو رہے ہیں۔ وہاں سب سے خطرناک اور دین کے نام سے دین کی بنیاد کو بدم کرنے والا اندرونی فتنہ منکرینِ حدیث کا گروہ ہے۔ اس کی انتہائی کوشش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری جمع کردہ احادیث کو موضوع اور بے کار ثابت کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال جو ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ آیا واقعتاً ہمیں حدیث کی کچھ ضرورت ہے یا نہیں۔ جن لوگوں نے اس زمانہ میں انکارِ حدیث کیا ہے۔ ان کا بڑا اعتراض یہ ہے۔ کہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے۔ اور ہم اس کے سمجھنے میں حدیث کے محتاج نہیں ہیں۔ درحقیقت یہ ایک بڑا مغالطہ ہے۔ اور بظاہر یہ ایک گھبرا دینے والی چیز بھی ہے۔ کیونکہ یہ ماننے کے بعد قرآن کریم ایک ناقص چیز

کسی چیز کا محتاج نہیں - اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چیزیں انسان کو ملتی ہیں - وہ سب ایک قانون کے ماتحت ملتی ہیں - اگرچہ خدا ان قوانین کا محتاج نہیں لیکن انسان ان کا محتاج ضرور ہے - مثلاً ہدایت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کو ملی ہے - اسے اکثر جبرئیل علیہ السلام لاتے ہیں - اِس قانون کی پہلی شاخ تو یہی ہے - پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اِسے ایک ایسے صاف و مطہر قلب پر نازل کیا ہے - جو اس پیغام کے تحمل کے لئے چن لیا گیا ہے - یہ اس قانون کی دوسری شاخ ہوئی -

پھر تیسرا مرحلہ انسانوں تک اُس ہدایت کے پہنچنے کا یہ ہے - کہ وہ رسول اِس نازل شدہ کلام کو اُن کے سامنے لاتا ہے - یعنی ان کو اس کی صحیح تعلیم دے کر اس کے اصل منشاء سے آگاہ کرتا ہے - جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا - كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (بقرہ پ ۲)
پس قانون الٰہی نے یہ ضروری ٹھہرایا - کہ یہ ہدایت الٰہی بندوں تک ان سب واسطوں سے پہونچے - کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا - تو قرآن کریم ایک کتابی شکل میں آجاتا - اور لوگوں سے کہہ دیا جاتا - کہ بطور خود اسے پڑھ کر عمل پیرا ہو جاؤ - لیکن ایسا نہیں کیا گیا - بلکہ آنحضرت روحی لہ الفداء کے لئے اس کی تعلیم کرنی لازم کی گئی - اور اس تعلیم و تبیین کی ضرورت اسی لئے پیش آئی - کہ قرآن کریم میں عبادات و معاملات و اخلاق و معاشرت وغیرہ کے صرف اصول وکلی قوانین مذکور ہیں - اور ان اصول و کلیات سے ان کے فروع و جزئیات کا استخراج ہر زید و عمر کا کام نہ تھا - بلکہ بعض جزئیات تک رسائی تو صرف اسی ذات مقدس کی ہو سکتی تھی، جس کا وسیع قلب انوار الٰہی کا مخزن جس کا منور سینہ تجلیات ربانی کی فرودگاہ ہو - ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے - کہ قرآن شریف پر عامل ہونے اور اُس کو سمجھنے کے لئے بہت سی چیزوں کی احتیاج ہے - مثلاً صرف و نحو - بلاغت معانی وغیرہ لیکن ان کے بعد سب سے بڑی احتیاج حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم مبارک کی ہے - اور ہمیں یہ فخر ہے - کہ اگر کوئی مدعی اہل قرآن بانی فرقہ قرآنیہ کے فہم کا محتاج تھے - تو ہم سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک اور

ہو جائے گی۔ جس کے سمجھنے کے لئے ہم کسی اور چیز کے محتاج ہو جائینگے۔ حالانکہ قرآن پاک اپنی جگہ پر ایک مکمل اور جامع کتاب ہے یہ بات اپنی جگہ پر بالکل ظاہر ہے۔ کہ قرآن پاک ایک مکمل اور جامع ترین کتاب ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں۔ کہ ہم اس کے سمجھنے کے لئے کسی چیز کے محتاج نہ ہوں۔ ہمیں اس زبان کی احتیاج ہے۔ جس میں وہ قرآن نازل ہوا۔ لغت کی احتیاج ہے۔ صرف و نحو کی احتیاج ہے۔ کیونکہ صرف و نحو ہی زبان کے قواعد بتاتے ہیں۔ اگر ہمیں ان چیزوں کا علم نہ ہو۔ تو ہم قرآن بالکل نہیں سمجھ سکتے۔ ٹھیک اسی طرح ہم آنحضرت روحی لہ الفداء کی تشریح کے محتاج ہیں۔ یہ ایک موٹی اور بدیہی بات ہے۔ کہ قرآن کریم نے حضرت کو معلم قرآن بتایا۔ تو ہمیں لازماً حضرت کے ارشاد عالیہ کے مطابق قرآن کو سمجھنا ہوگا۔ جس طرح ہر زمانہ میں مفسرین اور اہل علم نے لوگوں کو سمجھانے کے لئے قرآن کریم کے متعلق بہت کچھ لکھا۔ یہاں تک کہ فرقہ اہلِ قرآن کے مقتدا کو بھی نماز و زکوٰۃ کے متعلق کتابیں لکھنی پڑیں۔ کہ لوگ انکے منشاء کے مطابق قرآن سمجھیں۔ اسی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ نزولِ قرآن کریم کے وقت اِس امر کی ضرورت تھی۔ کہ اِس قلبِ مطہر کا مالک جس پہ یہ کلام نازل ہوا۔ اور جو دنیا کے تمام انسانوں سے بڑھ کر اس کے اصل منشاء کو سمجھتا تھا۔ اِس منشاء سے دوسروں کو آگاہ کرے۔ چنانچہ اُس نے اپنے قول و فعل سے اِس منشاء الہی کو ظاہر کر دیا۔ اور اسی کو ہم حدیث کہتے ہیں۔ اور جس طرح حضرت کے زمانے کے لوگ اِس اصل منشا کو سمجھنے کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے محتاج تھے۔ کیونکہ اس اصل منشاء کو مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی اِنسان سمجھنے والا نہیں تھا۔ اِسی طرح ہم بھی اِس اصل منشاء کو سمجھنے کے لئے اِس جمع کردہ قول و فعل کے محتاج ہیں۔ جو حدیث کہلاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معلمِ قرآن کی حیثیت میں

قرآن شریف کے کامل ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں۔ کہ اب اِنسان اِس کے سمجھنے کے لئے

پر حاوی ہے۔ مثلاً سیاست۔ معاشرت۔ تمدن۔ کہ یہ امور دین میں داخل ہیں۔ اور ان کو قرآن پاک نے اصولی طور پر بیان بھی فرمایا ہے۔ لیکن ان کے فروع ہزاروں کی تعداد تک پہنچتے ہیں۔ جن پر کسی ایک زمانہ اور ایک نظام حکومت کے انسان حاوی نہیں ہو سکتے۔ اور ان کا ذکر قرآن شریف میں کہیں نہیں۔ اسی طرح گذشتہ انبیاء کے تذکرے جس حد تک کہ ان کا تعلق ہدایت بشری سے تھا، قرآن میں مذکور ہیں، نہ یہ کہ تمام انبیاء کے مفصل تذکرے اس میں موجود ہوں۔ بلکہ بعض انبیاء کے نہایت قلیل واقعات ذکر کئے۔ اور بعض کے متعلق صاف فرمایا۔ کہ رُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ یعنی بعض رسولوں کا ہم نے تم سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ان کے نام بھی نہیں بتائے۔ اب اس اصول پر قرآن پاک تفصیل کل شیء کس طرح ہوا۔ کیونکہ اصل دین ہی کی بیشمار جزئیات نہیں بیان کیں۔ اب آیئے۔ خود قرآن ہی کی روشنی میں ہم تفصیل کل شیء کا مطلب سمجھیں اللہ تعالیٰ ملکہ سبا کی نسبت یوں فرماتا ہے۔ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اُسکو ساری چیزیں دی گئیں۔ اب اہل قرآن کے اصول کی رو سے اس قدر حد بندی تو کر سکینگے۔ کہ بادشاہت کے متعلق کل چیزیں اس کو دی گئیں۔ جس طرح تفصیل کل شیء میں کل امور دینی نے ان کے مشورہ سے مراد لئے تھے۔ اسی طرح ذوالقرنین کے ذکر میں آیا ہے وَ اٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۔ ہم نے ان کو ہر ایک چیز کے سامان عطا فرمائے۔ یہاں بھی زیادہ سے زیادہ اصول اہل قرآن کی رو سے بادشاہت کے سامان کی قید لگانی پڑیگی۔ مگر کیا یہ صحیح ہے؟ کہ ملکہ سبا و ذوالقرنین کو بادشاہت کے وہ سامان اور وہ چیزیں بھی دیگئی تھیں جو آج چودھویں صدی میں ایک طاقتور حکومت کے ہاتھ میں ہو سکتی ہیں۔ یہ آہن پوش جہاز یہ سترہ، اٹھارہ انچ دہانے کی توپیں، یہ ہوائی جہاز، یہ مشین گنیں، یہ زہریلی گیس، یہ ریلیں، یہ تار، یہ ٹیلیفون سب چیزیں ان کو ملی تھیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ کل شیء سے مراد صرف وہ چیزیں ہیں۔ جن کی ضرورت ان کو اس وقت کے طاقتور دشمن کے مقابلہ میں تھی۔ اسی طرح قرآن شریف تفصیل کل شیء ہے بے شک ہے، مگر اس لحاظ سے کہ جس قدر ضرورت اعداء دین کے مقابلہ میں ہے۔ جس قدر ضرورت

سراپا نورِ فہم کے محتاج ہیں۔ افسوس ہے۔ اس شخص پر جو قرآن شریف کے سمجھنے کے لئے اپنے آپ کو لغت صرف، نحو، بلاغت، معانی و بیان اور غیر نبی کے فہم قرآن کا محتاج تو سمجھتا ہے۔ مگر اس پاک سرچشمہ کی احتیاج سے اپنی زبان تشنہ کو بے نیاز رکھکر پیاسا مرجانا چاہتا ہے۔ جہاں سے وہ چشمۂ فیض پھوٹ کر نکلا۔ اور جس کی بیشمار شاخیں دُنیا میں پھیل گئیں۔ یہ احتیاج سے آزادی نہیں۔ ہلاکت و بربادی ہے۔ عصیان و سرکشی ہے، نافرمانی و الحاد ہے۔

قرآن مفصّل ہونے کے باوجود تشریح کا محتاج ہے۔

بعض نافہم یہ کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلعم کو کتاب اللہ کے منشا اصلی بیان کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف خود فرماتا ہے۔ تَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ (سورہ یوسف) یعنی ہر چیز کی تفصیل اس میں موجود ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا ہے۔ کُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰہُ تَفْصِیْلًا (بنی اسرائیل) ہر ایک چیز کو ہم نے اس میں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اور پھر فرمایا کِتٰبًا مُفَصَّلًا (الانعام) یعنی اس میں ہر ایک چیز کھول کر بیان کر دی گئی ہے۔ اور فرمایا تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (النحل) یعنی ہر ایک چیز کو بیان کر دینے والا۔ پس ان صریح بیانوں کے بعد کسی قسم کی تشریح یا تفصیل کی حاجت اس نے باقی نہیں چھوڑی۔ یعنی بالفاظ دیگر جب قرآن ہر حیثیت سے مفصل و مشرح ہے۔ تو اب وحی خفی یا حدیث کی کیا حاجت رہی۔ سب سے پہلے تفصیل کُلِّ شَیْءٍ کا مطلب سمجھنا چاہئے۔ اگر اس کے ظاہری معنے لئے جائیں۔ تو دُنیا کی کوئی چیز کوئی فن کوئی ہنر ایسا نہ ہونا چاہئے۔ جو قرآن پاک میں موجود نہ ہو۔ لیکن معمولی سمجھ کا آدمی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کہ ساری دُنیا کے سائنس تاریخ، جغرافیہ، ہندسہ، صنعت و حرفت، کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے۔ اس لئے کہ ہر ذی علم کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ کُلِّ شَیْءٍ سے مراد دین کی کل باتیں ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے ماتحت تمام مفسرین خازن، بیضاوی، مدارک، کشاف، ابن جریر، رازی وغیرہ نے مِنْ اُمُوْرِ الدِّیْنِ ہی لکھا ہے۔ یعنی امور دینیہ کی تفصیل مراد ہے اب بحث یہ رہ جاتی ہے۔ کہ دین بھی بہت سے اصول اور بے شمار فروع

داخل ہو گئی ہیں۔ ان کا بیان پھر ان کی تصحیح اور دعویٰ اور ان کی دلیلیں یہ سب اس کے اندر موجود ہیں۔ اسی لئے اس کو کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ فرمایا۔ دیکھو کس قدر با کمال معجزہ ہے کہ پہلے انبیاء ماسبق کے دین کی صداقت بیان فرماتا ہے۔ پھر ان کی کتابوں کی تحریف کا راز فاش کرتا ہے۔ پھر اصولی غلطیوں سے آگاہ کرتا ہے۔ پھر ان کے دلائل بیان کرتا ہے۔ ان واقعات پر غور کرو۔ اور پھر تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل کل شیءٍ پر غور کرو۔ تمہیں صاف معلوم ہو گا۔ کہ واقعی یہ اس عالم الغیب کا کلام ہے۔ اور اس کا حامل بھی یقیناً خدا ہی کا فرستادہ ہے۔ جس پر اس علمی زمانہ میں خدائے قدوس نے قرآن کریم جیسا علمی معجزہ ظاہر فرمایا۔

تفصیل کل شیء کی ایک اور عمدہ توجیہ

اس تقریر کے بعد ایک اور پہلو سے ہم اسی تفصیل کل شیءٍ کو غور کریں۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ قرآن کریم نے دین کے متعلق ہر معاملہ کے اصول کو بیان کر دیا ہے۔ اور کچھ تھوڑے فروع بھی بیان کئے ہیں۔ نہ صرف دین اسلام کے اصول یعنی اللہ تعالیٰ رسل کرام فرشتے یوم آخرت۔ کتب سماویہ وغیرہ ہی کے ایمان کو بیان فرمایا۔ بلکہ سیاست، معاشرت، تمدن، اخلاق، اور اختلاف مذاہب اور اس اختلاف کے فیصلہ وغیرہ کے اصول بھی بیان فرمائے ہیں، مگر فروع کا حصر نہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ اس غیر ضروری کوشش کا قرآن حکیم نے ارادہ کیا۔ ہاں کہیں کہیں بطور نمونہ و تمثیل یہ چیزیں آگئیں، لیکن جہاں تک اصول کا تعلق تھا۔ وہ نہایت تفصیل اور بسط کے ساتھ بیان کئے گئے۔ اور پھر وہ قواعد بھی بتائے۔ کہ فروع میں جہاں کہیں کوئی امر متشابہ پیدا ہو۔ وہاں اصول کی طرف رجوع کر کے انہیں حل کر لیا جائے۔ اب قرآن پاک تفصیل کل شیءٍ اس معنی میں ہے۔ کہ سارے اصولوں کی تفصیلات اس کے اندر موجود ہیں۔ اور ساری وضاحتیں اس سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اور اس امر کو خود قرآن پاک نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ خدا وہ ہے۔ جس نے آپ پر کتاب اتاری۔ اس میں کچھ محکم یعنی واضح المعنی صریح الدلالت ہیں۔ اور وہ کتاب

دُوسرے ان مذاہب کے متعلق ہے جن سے دُنیا میں اِسلام کو کام پڑتا تھا، یہی وجہ ہے کہ جہاں قرآن شریف کو تفصیل کل شی کہا ہے - وہاں ساتھ ہی دُوسرے مذاہب کا بھی ذکر ہے - مَا کَانَ حَدِیثًا یُفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ (سع) یہ کوئی افترا کی ہوئی بات نہیں بلکہ جو کچھ اس سے پہلے موجود ہے - اس کی تصدیق اور ہر شے کی تفصیل، اور دوسری جگہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتاب فرما کر اور بھی واضح کر دیا - ایسا ہی افغیر اللہ ابتغی حکماً وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلاً (الانعام) کتاب مُفصّل کا ذکر مخالفین کو مخاطب کر کے ہی کیا ہے، اور درحقیقت ان سب آیات میں یہ بتایا ہے - جیسا کہ قرآن شریف نے ایک دُوسری جگہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ قرآن شریف میں اپنی صداقت کے تمام دعاوی اور ان کے دلائل اور مخالف اسلام کے سارے اصُول باطلہ اور اُن کے بطلان کے دلائل موجود ہیں - اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے - جس کا انکار کسی طرح بھی ممکن نہیں - قرآن حکیم کی عظمت کا کمال نہیں یُوں نظر آئیگا - جب تم یہ غور کرو - کہ عرب کا ایک اُمّی دُنیا کے سامنے وہ کتاب پیش کرتا ہے جس نے نہ صرف سارے مذاہب کے اصُول باطلہ کو ہی بیان کر کے ان کی غلطی کا اظہار کیا - بلکہ اُن کے دلائل بھی پیش کیئے، حالانکہ پیش کرنے والا ایسا شخص ہے - جو دُوسرے مذاہب کا مطالعہ تو کیا وہ لکھنا پڑھنا ہی نہیں جانتا تھا، اِسی طرح تمام اصول حقہ کو بیان کر کے اُن کی صداقت کے دلائل بھی بیان کرتا ہے - لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ یہ قرآن شریف کا عظیم معجزہ ہے - کہ وہ خود ان کے مقابلہ میں دعویٰ کرتا ہے - اور پھر دلیل بھی دیتا ہے - اور اسی کی طرف تفصیل کل شی ء میں اشارہ ہے، یعنی ہر وہ چیز جس کی ضرورت مخالف دین واعداء اسلام کے مقابلہ میں ہے - وہ اس قرآن شریف کے اندر موجود ہے - اور اس کا پیرو خود اِس کا محتاج ہے، یہ نہیں - کہ دُوسری کتابوں کی طرح خود کتاب اپنے ماننے والوں کی تشریح وتفصیل کی محتاج ہے، یہ اگلے انبیا اور ان کی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے - اور ساتھ ہی ساتھ ہر شے کی تفصیل بھی اُس میں موجود ہے - یعنی جو غلطیاں ان میں

کہ اس میں سب چیزوں کا علم موجود ہے۔ یعنی سب چیزوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ موجود ہے۔ چنانچہ اس آیت ذیل میں خود ہی اس قاعدہ کی توضیح بھی فرمادی۔ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا اور اس کی یعنی متشابہ کی تاویل کوئی نہیں جانتا۔ مگر اللہ اور زبردست علم والے۔ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ یعنی متشابہ کے معنے راسخین فی العلم اسی اصول پر معلوم کرتے رہینگے۔ کہ وہ ان سب کو اپنے رب کی طرف سے جانتے ہیں۔ راسخین فی العلم ان کو اس لئے کہا گیا۔ کہ وہ ایک مضبوط بنیاد پر کھڑے ہوئے ہیں، اور وہ بنیاد یہی ہے۔ کہ وہ محکم اور متشابہ دونوں کو خدا کی طرف سے مانتے ہیں محکم کے معنے تو ظاہر ہیں۔ جن میں کسی قسم کی بحث نہیں۔ لیکن متشابہ کو اس پر عرض کرنا خود ایک مضبوط بنیاد پر کھڑے ہونا ہے۔ پس یہ وہ قاعدہ ہے۔ جو خود قرآن کریم نے تجویز فرمایا ہے۔

نبی کا کلام وحی خفی سے ہوتا ہے

نبی کو جس پر کلام ربانی نازل ہوتا ہے۔ وہ خود بین عطا کیا جاتا ہے۔ جس کی مدد سے وہ دیکھتا ہے۔ جو دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ اور وہ بہت سی باتیں جو کتاب اللہ میں ایک بیج کی شکل میں موجود ہیں۔ نبی اپنے اس فہم سے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے۔ اسے ایک درخت کی صورت میں دیکھتا اور دوسروں کو دکھاتا ہے۔ وہ روشنی جو اسے دیجاتی ہے۔ معمولی اجتہاد سے بالاتر اور زیادہ تیز روشنی ہوتی ہے۔ اور اس کو وحی خفی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اگر غور کیا جائے۔ تو یہ بات ظاہر ہے، کہ جس قلب پر وحی الہی کا نزول ہوتا ہے اُس کو اس کا خاص فہم بھی ملنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ دوسروں کی طرح اس کو باہر سے نہیں اندر سے دیکھتا ہے اس کے قلب میں جبتک ایک خاص نور نہیں پیدا کیا جاتا۔ اس وقت تک وہ اس وحی کو لینے کے قابل کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اللہ یعلم

کی اصل ہیں، اور بعض متشابہ ہیں۔ یعنی جن کے معنی واضح نہیں۔ اس آیۃ نے صاف واضح کر دیا۔ کہ قرآن کریم میں بعض آیات ایسی ہیں۔ جو واضح المعنی نہیں۔ بلکہ ان کی مزید توضیح و تشریح درکار ہے۔ پس قرآن حکیم اگر ایک طرف اپنے اندر تفصیل کل شیٔ کا دعویٰ کرتا ہو۔ تو خود ہی دوسری طرف اپنے اندر کچھ آیات، متشابہ بھی قرار دیتا ہے، ہم دونوں آیتوں کو پڑھیں گے۔ اور ہر ایک کے ایسے معنی کرینگے۔ جو دوسری آیۃ کے خلاف نہ ہوں، غور کرو کہ دونوں معنی میں تطبیق بھی خود اسی آیۃ نے کر دی ہے۔ جو زیر بحث ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حصّہ کو واضح المعنی صریح الدلالت فرمایا۔ اور اسی کو اصل کتاب سے تعبیر فرمایا۔ بالفاظ دیگر اصول کو ایسے الفاظ میں بیان فرما دیا ہے۔ جس میں مزید تشریح و توضیح کی کوئی ضرورت نہیں، مگر فروع کو ایسے رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ جس میں مزید توضیح کی ضرورت ہے۔ اور یہی ایک حکیم اور پرحکمت کتاب کا کام ہونا چاہیئے۔ کہ اصول کو وہ وضاحت کیساتھ بیان کر دے اور تمام فروع کا بیان کرنا گو خداوند عالم الغیب کی طاقت سے باہر نہیں۔ لیکن تمام فروع کی حفاظت اور اُن کا حامل بننا اور پھر ضرورت کے وقت ان کا حسب منشا ملجانا انسانی طاقت سے باہر ضرور ہے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے اِنسان پر اتنا بوجھ نہیں ڈالا۔ جس کی وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس طرح یہ قرآن کریم کروڑوں نہیں اربوں صفحات کی کتاب بنجاتی اور کوئی اس میں کچھ بھی حاصل نہ کر سکتا۔ اور نہ اسے یاد رکھ سکتا۔ نہ اس کی حفاظت کا سامان ہو سکتا پس کمال حکمت سے ایک طرف اصول کو بالکل واضح صاف پختہ کر کے قرآن کریم میں اُن سب کا ذکر کر دیا، اور دوسری طرف فروع کے لئے فہم و بصیرت کا دروازہ ہر زمانہ میں اس کی ضرورت کے مطابق کھُلا رکھا، اور چونکہ فروع ہمیشہ اصوُل پر عرض کیجاتی ہیں۔ اور انہیں اصول کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اس لئے یوُں بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ قرآن حکیم نے سبھی کچھ بتا دیا۔ کیونکہ جب ایک چیز کے علم حاصل کرنے کا ذریعہ بتا دیا۔ تو گویا اس کا علم دیدیا اس لحاظ سے یعنی مجاز کے رنگ میں تفصیل کُل شیٔ قرآن شریف اس معنے میں بھی

ھم الکتاب والحکم والنبوۃ (الانعام) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور فیصلہ کرنے کا اختیار اور منصب سفارت (اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان) عطا کیا اور دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ صاف الفاظ میں فرمایا۔ ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ (آل عمران) یہ کسی بشر کے شایان نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور فیصلہ کرنے کا اختیار اور نبوت عطا فرمائے۔ پھر وہ لوگوں سے کہے۔ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ حکم کے معنی امام راغب نے اس طرح کئے ہیں۔ ان یقضی بشیء علی شیء فیقول ھو کذا او لیس بکذا۔ یعنی ایک چیز کا دوسرے کیساتھ فیصلہ کیا جائے۔ پس فیصلہ کرنے والا کہے۔ یہ ایسا ہی ایسا نہیں۔ پس ان آیات سے کھلے لفظوں میں ثابت ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ جہاں اپنے مرسلین کو کتاب اور منصب سفارت عطا فرماتا ہے۔ وہیں ان کو حکم یعنی فیصلہ کرنے کی قوت اور اختیار دیتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ سب انبیاء ابتدا ہی سے حکومت و بادشاہت کے مالک نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ قوت فیصلہ صرف امور دینی ہی میں ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ حکم کے معنی لغت میں العلم والفقہ کے بھی لکھے ہیں۔ لیکن اس سے ہمارے مدعا میں کوئی خرابی نہیں لازم آتی، ظاہر ہے۔ کہ فیصلہ کرنے کی قوت یا اختیار کے لئے علم تفقہ بھی درکار ہے، اور صحیح حکم یا فیصلہ چونکہ تفقہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے نبی کو حکم عطاء کرنے میں دونوں مفہوم پائے جاتے ہیں۔ یعنی اس کو خاص علم بھی دیا جاتا ہے۔ اور فیصلہ کرنے کا اختیار بھی دیا جاتا ہے۔ اس لئے بعض وقت یہ صرف علم کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ یعنی حکمت کے معنی میں۔ مگر ظاہر ہے۔ انبیا کو کتاب اور نبوت کے ساتھ حکم عطاء کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد اختیار فیصلہ ہی ہے۔ جو امور دینی میں صادر ہو۔ معمولی علم نہیں مراد ہو سکتا کیونکہ اس کا نبوت سے کوئی خاص لگاؤ نہیں۔ یہ کوئی خاص بات ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتی ہے جیسے کہ واتیناہ حکما وعلما میں وہ خاص علم مراد ہے۔ جو امور دینی کے فیصلہ کے لئے منجانب اللہ عطا کیا گیا۔ ورنہ علم تو دنیا میں کم و بیش ہر انسان کو

حیث یجعل رسالتہ، صاف بتاتا ہے۔ کہ وحی الٰہی پانے کا ہر ایک قلب سزاوار نہیں ہوتا ہے۔ پس یہی نور جس کی وجہ سے اس کا قلب مہبط وحی بنتا ہے۔ اس کو ایک خاص فہم عطا کرنے کا موجب بنتا ہے، اور اسی خاص فہم سے کام لیکر یا اس وحی خفی کی مدد سے وہ ان امور دینی میں فیصلہ کرتا ہے۔ جن کی وضاحت کتاب اللہ نے نہیں کی۔ اور اسی وجہ سے کہ اس کو خاص فہم اللہ کی جانب سے عطا ہوتا ہے اور خاص روشنی ملتی ہے۔ وہ خاص اختیارات رکھتا ہے۔ اس کا فیصلہ اُمت کے لئے ایک قطعی فیصلہ ہوتا ہے۔ اجتہاد میں غلطی کا امکان ہے مگر اس کے فیصلہ دینی میں غلطی کا امکان نہیں، مثلاً قرآن شریف میں صلوٰۃ کا حکم ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیتے ہیں۔ کہ صلوٰۃ یہ ہے، اب یہ ناممکن ہے۔ کہ جو کچھ آپ نے بتایا ہو۔ وہ غلط ہو۔ یا قرآن شریف یا اللہ تعالیٰ کے منشا کے خلاف ہو۔ اور کوئی دُوسرا شخص یہ فیصلہ کرے۔ کہ جو نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی۔ وہ درست نہیں بلکہ قرآن شریف ایک دُوسری طرز کی نماز بتاتا ہے۔ ایک فیصلہ، یعنی اگر قطعی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ تو اس کا قبول کرنا امت کے لئے واجب اور ضروری ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص فہم قرآن دیا گیا

اِس بحث کے بعد سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا قرآن شریف سے یہ ثابت ہے۔ کہ نبی کو کوئی خاص فہم عطا ہوتا ہے، جس سے وہ امور دینی میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہوتا ہے بلاشبہ ایسا ثابت ہوتا ہے۔ اور ایک نہیں متعدد آیات اس کی شاہد ہیں۔ یُوں تو علیحدہ علیحدہ کئی نبیوں کے متعلق مثلاً یُوں فرمایا۔ وَلوطاً اٰتینٰہ حکماً وَعِلماً کسی کے متعلق فرمایا۔ ففررت منکم لما خفتکم فوھب لی ربی حکماً وَجعلنی من المرسلین یا فرمایا وَلما بلغ اشدہ واستوی اٰتینٰہ حکماً وَعلماً لیکن جامعیت کے ساتھ ایک جگہ کوئی اٹھارہ انبیاء کے نام لے کر فرمایا۔ اولٰئک الذین اٰتینٰھم

جس طرح جمع قرآن کو اپنی طرف منسوب کیا۔ تو معلوم ہؤا۔ کہ نبی کریم علیہ السلام جو کچھ مسائل کے متعلق بیان فرمائیں۔ وہ سب خدا ہی کا فرمودہ ہوگا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آپ پر کوئی وحی متلو اس طرح نازل نہیں ہوئی۔ جس میں سورتوں اور آیتوں کی ترتیب آپ کو بتائی گئی ہو۔ لیکن آپ نے آیات و سورہ کی ایک ترتیب مقرر فرمائی۔ اس لئے آپ کا آیات کو ترتیب دینا بھی خدا کی طرف سے تھا۔ اور بیان مسائل بھی خدا کی طرف سے تھا۔ لیکن چونکہ یہ وحی متلو کے ذریعہ نہ ہؤا۔ اس لئے اسے وحی غیر متلو یعنی وحی خفی کہتے ہیں۔ ہم اس سے بھی بے خبر نہیں۔ کہ بعض حضرات قرآن کریم کی جمع کو بھی نہیں مانتے لیکن کم از کم انہیں تاریخ کے اس متفقہ واقعہ سے انکار نہ ہوگا۔ کہ قرآن کا کچھ حصہ مکہ اور کچھ مدینہ میں نازل ہؤا۔ اب اگر ترتیب نزول کوئی اور نہ تھی۔ تو معلوم ہؤا۔ کہ سورہ بقرۃ، آل عمران، انفال، توبہ، وغیرہ جن میں جنگ بدر، جنگ احد، غزوہ تبوک وغیرہ کا ذکر ہے مکہ میں نازل ہوئیں۔ اور پچھلی سورتیں جن میں کسی جنگ کا ذکر نہیں۔ وہ مدینہ میں نازل ہوئیں اگر انکار واقعات میں یہ لوگ اس حد تک نہیں پہنچے۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ ترتیب نزول اور تھی۔ اور ترتیب موجودہ اور ہے۔ لیکن ترتیب نزول کے علاوہ کوئی اور دوسری ترتیب جو آنحضرت نے دی۔ اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا محض اپنے دل سے دی یا وحی سے دی۔ اگر اپنی طرف سے دی۔ تو ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی کے خلاف لازم آتا ہے۔ اور پھر ان علینا بیانہ کی بھی تکذیب ہوتی ہے۔ اس لئے معلوم ہؤا کہ یہ ترتیب وحی کے ذریعہ تھی۔ اور چونکہ اس وحی کا کہ فلاں سورت کو فلاں جگہ اور فلاں آیۃ کو فلاں جگہ رکھو۔ قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔ اس لئے اسے ہم وحی خفی کہینگے۔ اور یہ خیال کہ وحی صرف ایک ہی قسم کی ہوتی ہے۔ سراسر نادانی ہے۔ قرآن شریف میں تو زمین کی طرف وحی کا بھی ذکر بان ربک اوحی لھا اور شہد کی مکھی کو بھی وحی کا ذکر ہے۔ واوحی ربک الی النحل اور غیر انبیاء کو بھی وحی کا ذکر ہے۔ واوحیت الی الحواریین واوحینا الی ام موسی اور ملائکہ کو بھی وحی کا ذکر ہے۔ حالانکہ وہ خود وحی لانیوالے ہیں۔ اذ یوحی ربک الی الملائکۃ، پس معلوم ہؤا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی وحی مختلف قسموں

ملتا ہے۔ اور خدا کی جانب ہی سے ملتا ہے۔ یہاں تک کہ لکھنا بھی خدا کی جانب سے سکھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ ولا یاب کاتبٌ ان یکتبُ کما علمہ اللّٰہ ان یکتب، یا شکاری جانوروں کو شکار سکھانا یہ علم بھی اللہ کی جانب سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَما علمتم من الجوارح مکلبین مما علمہ اللّٰہ پس گو خدائی تعلیم کے ذرائع بہت وسیع ہیں۔ لیکن جب وہ نبی کو علم دیتا ہے۔ تو وہ عام علم نہیں ہوتا۔ جسے انسان اپنے کسب سے سیکھتا ہو۔ اگرچہ اس کسبی علم کے ذرائع بھی خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی بواسطہ خدا ہی کا دیا علم ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد وہ علم خاص ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ عنایت فرماتا ہے۔ اسی طرح حکم سے مراد وہ معمولی فہم یا دنیا کے قضایا میں فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ جس میں دوسرے انسان ان کے شریک حال ہیں بلکہ یہ وہ خاص فہم ہے۔ جو وحی خفی کے ذریعہ ملتا ہے۔ اور یہ وہ اختیار فیصلہ ہے۔ جو دینی امور میں ان کو دیا جاتا ہے۔ جس میں دوسرے انسان ان کے شریک و سہیم نہیں ہو سکتے پس یہ آیات قرآنی اس بات کا قطعی فیصلہ کرتی ہیں۔ کہ انبیا علیہم السلام کو امور دینی میں فیصلہ کرنے کا اختیار اور اس فیصلہ کے لئے انہیں خاص علم دیا جاتا ہے۔ جسے ہم وحی خفی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ معمولی علم انسانی سے ایک برتر روشنی ہے۔ اور یہ وہ نور ہے جس کی فرودگاہ انبیاء علیہم السلام ہی کا سینہ ہے پس حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر دوسرے کے استدلال کو اخذ کرنا اور آپ کی تشریح کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے فہم کی تقلید کرنا تلک اذاً قسمۃ ضیزیٰ کا مصداق ہوگا۔

L781

قرآن شریف سے وحی خفی کا ثبوت

قرآن حکیم پر غور کرنے والے اس چیز کو خوب سمجھتے ہیں۔ کہ وحی خفی کی کیا حقیقت ہے۔ اور وہ خود قرآن سے کس طرح ثابت ہے۔ جب ہم اس آیۂ کریمہ ان علینا جمعہ و قرآنہ ثم ان علینا بیانہ پر غور کرتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ مسائل بیان کئے۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اسی طرح منسوب کیا۔

رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء (الشوریٰ) کسی بشر کے لئے یہ سزاوار نہیں۔ کہ اللہ اس سے کلام کرے۔ لیکن انہیں تین صورتوں سے وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا رسول (فرشتہ) بھیجے۔ اور اس کے ذریعہ اپنے حکم سے جیسی وحی چاہے۔ کرے۔ سب سے اول لفظ وحی رکھا ہے۔ جس کے اصل معنی اشارہ سریعہ کے ہیں۔ یعنی تیز اشارہ اور یہ کسی بات کے دل میں ڈالنے کا نام ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں۔ الالقاء فی الروع یہ بھی ایک طرز کلام ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے کے دل میں ایک بات ڈال دے۔ دوسرا طریق کلام من وراء حجاب ہے۔ جیسا کہ رویا (خواب) میں یا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر سنا کرتے تھے۔ رویا میں ایک پردہ ہوتا ہے۔ اور وہ تعبیر طلب ہوتی ہے۔ ایسا ہی وہ کلام یا آواز جو انسان سنتا ہے۔ یا وہ الفاظ جو اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ جس پر تمام اولیاء امت کی متفقہ شہادت ہے۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویا کا ذکر قرآن پاک میں ان الفاظ میں موجود ہے۔ لقد صدق اللہ رسولہ الرویا بالحق ؕ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچی رویا دکھائی۔ گو اصل رویا کو بیان نہیں فرمایا۔ مگر اس کی تعبیر بیان فرمائی۔ لتدخلن المسجد الحرام۔ تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ یعنی وہ خواب اس طرح پورا ہو کر رہیگا۔ پس رویا اور الہام بھی اللہ تعالیٰ کے کلام کی ایک قسم ہے۔ جس کو من وراء حجاب سے تعبیر کرتا ہے۔ تیسری قسم وہ ہے۔ جو انبیا علیہم السلام کیساتھ خاص ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرشتہ (حضرت جبرئیل وغیرہ) کو بھیجتا ہے۔ اس نوعیت وحی کا ذکر بھی قرآن میں جا بجا موجود ہے۔ نزلہ روح القدس علی قلبک، دوسری جگہ قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ ؕ جو جبریل کا دشمن ہے۔ اسے کہدو۔ کہ اسی جبرائیل نے قرآن کو تمہارے قلب پر اتارا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے، پس اللہ کی وحی کے یہ تین طریقے ہیں۔ ان میں سے قسم اول۔ جس کو صرف وحی سے تعبیر کیا ہو۔ اسی کا نام وحی خفی ہے۔ جس میں صرف دل میں ایک بات ڈالی جاتی ہے۔

کی ہوتی ہے اور اس کی نوعیتیں بے شمار ہیں۔

قرآن میں نماز اور وضو کے ذکر سے وحی خفی پر کھلا استدلال

یہ امر بالکل ظاہر ہے۔ کہ قرآن شریف میں نماز کا حکم نہائیت ابتدائی سورتوں میں موجود ہے۔ سورہ مزمل اور دوسری ابتدائی سورتوں میں اس کا حکم موجود ہے۔ اور تاریخ سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے۔ پس اگر نماز کی تفصیلات کے بیان کرنے کی ضرورت تھی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی خفی کے ذریعہ ان تفصیلات کے بتانے کے مجاز نہ تھے۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ ان تمام تفصیلات کے جو نماز کے متعلق قرآن میں بتائی جاتی رہیں۔ نازل ہونے کے بعد نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا۔ اور ایسا ہی وضو کی تفصیل بھی پہلے نازل ہو لیتی اس کے بعد وضو کا حکم دیا جاتا۔ اور واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ کہ محض وضو و نماز حکم کے بعد ہی یہ چیزیں عمل میں لائی جانے لگیں۔ پھر کیا کوئی عقلمند اس بات کو پسند کر سکتا ہے۔ کہ ایک چیز پر عمل کرنے کا حکم تو آج دیا جائے۔ اور اس کی تفصیل سالہا سال کے بعد بتائی جائے۔ اس لیئے معلوم ہوا۔ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تفصیل وحی غیر متلو کے ذریعہ بتائی۔ اور یہ وہی تفصیل ہے۔ جو بعد میں وحی متلو کے ذریعہ خدا کی طرف سے مُصدق ہوئی۔ گویا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز و وضو کی جو ترتیب بتائی۔ وہ مدتوں بعد وحی متلو کے ذریعہ آشکارا کی گئی۔ مثلاً وضو کی تفصیلی ترکیب جو حضرت نے تعلیم فرمائی تھی۔ بعینہٖ وہی ترکیب سورہ مائدہ میں بتائی گئی۔ جو بہت دنوں بعد مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ اس بات کا کھلا استدلال ہے۔ کہ رسول جو کچھ تعلیم دیتا ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے دیتا ہے۔ لیکن کبھی وہ وحی خفی کے ذریعہ سے ہوتی ہے کبھی وحی جلی (وحی متلو) کے ذریعہ سے وحی خفی پر یہ قرآن شریف سے ایسا کھلا استدلال ہے کہ کوئی شخص اسے رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

وحی کے تین رنگ

آئیے۔ اس وحی خفی کے معاملہ کو اور زیادہ واضح کریں۔ قرآن پاک میں بشر کی طرف وحی کے تین رنگ بیان کیئے گئے ہیں۔ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ

رسول الا لیطاع باذن اللہ (النساء) - یعنی ہم نے تمام رسول اسی لئے بھیجے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی پیروی کی جائے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنانے کا حکم بھی قرآن میں موجود ہے۔ فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیماً (النساء) قسم ہے آپ کے رب کی وہ لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکینگے۔ جبتک اپنے جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ بنائیں۔ اور پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں۔ بلکہ پوری خوشی سے اسے قبول کرلیں۔ پھر ایک اور آیت میں آپ کے حکم ماننے کی تاکید فرمائی۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران) - اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو۔ تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کریگا۔ پھر ایک جگہ فرمایا ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب) تمہارے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نہائت عمدہ نمونہ ہے۔ انہیں کے نقش قدم پر چلو۔ ان کھلی آیات کے رہتے پھر کوئی شخص کیونکر فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ ہمیں فہم قرآن یا کسی مذہبی امر میں اتباع رسول کی ضرورت نہیں۔ یہ نہ فقط دین سے لڑائی ہوگی۔ بلکہ اپنی بصیرت و عقل و علم سے بھی لڑائی ہوگی۔

اطاعت رسول کی سب آیات مدنی ہیں

قرآن پاک کی ان آیات کو گنا کر جن میں کھلے لفظوں میں اطاعت رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک اور لطیف نکتہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ جو بجائے خود ایک فیصلہ کن امر ہے۔ اللہ تعالیٰ یا صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جتنی آئتیں ہیں۔ وہ سب کی سب مدنی سورتوں میں ہیں۔ سورہ آل عمران۔ النسا۔ مائدہ۔ الانفال۔ التوبہ۔ النور الاحزاب۔ محمد۔ الفتح۔ الحجرات۔ المجادلہ۔ التغابن۔ جن میں یہ آیات آئی ہیں سب کی سب بالاتفاق مدنی ہیں۔ دوسری طرف وہ آیات جن میں دیگر انبیاء کے اتباع کا ذکر ہے۔ سوا ایک کے سب مکی ہیں۔ کیونکہ سورۃ الشعرا۔ الزخرف اور نوح مکی

قرآن میں اطاعت رسول کا حکم | اس کے بعد ہم ان آیات کو پیش کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت یا آپ کے حکم کو ماننے یا آپ کو حکم بنانے کا حکم دیا ہے۔ قرآن شریف میں ایسی آیات جن میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا کھلے الفاظ میں ذکر ہے، بیس ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی مختلف الفاظ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ لیکن میں صریح الفاظ والی آیتیں درج کرتا ہوں۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (سورہ نساء) و من یطع اللہ والرسول (النساء) ومن یطع اللہ و رسولہ (النساء الاحزاب ۳۳۔ الفتح) ویطیعون اللہ و رسولہ (التوبۃ ۷۲) و ان تطیعوا اللہ و رسولہ (الحجرات ۱۴) قل اطیعوا اللہ والرسول (آل عمران) یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول (النساء محمد) یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و رسولہ (الانفال) قل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول (النور ۵۴) و اطیعوا اللہ و الرسول آل عمران) و اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول (المائدہ ۔ تغابن) و اطیعوا اللہ و رسولہ (الانفال ۱۔۲۔ المجادلہ) و اطیعوا الرسول (النور) اور بارہ آیتیں ایسی ہیں جن میں دوسرے انبیاء نے اپنے وقت میں اپنی امتوں کو اپنی اطاعت کی طرف بلایا ہے۔ اور وہ الفاظ عموماً ایک ہی ہیں۔ یعنی فاتقوا اللہ و اطیعون حضرت عیسیٰ کے متعلق آل عمران ۔ اور الزخرف ہیں اور حضرت نوح کے متعلق الشعراء ۱۰۸-۱۱۰ اور نوح۔ (یہاں فاتقوا اللہ کی جگہ فاتقوہ ہے۔ اور حضرت ھود کے متعلق (الشعراء) میں اور حضرت شعیب کے متعلق الشعراء ۱۷۹ میں اور حضرت ہارون کے متعلق طٰہٰ میں یہ لفظ ہیں۔ ولقد قال لھم ھارون من قبل فاتبعونی و اطیعوا امری اور ہارون علیہ السلام نے انہیں پہلے سے کہہ دیا تھا۔ کہ تم پیروی کرو۔ اور میرے حکم کی فرمانبرداری کرو۔ اور ایک جگہ تمام رسولوں کے متعلق صاف بتا دیا ہے۔ وما ارسلنا من

کے تحت میں داخل ہیں۔ کیونکہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا۔ رسول جو کچھ دیں، اسے قبول کرو۔ اور جس چیز سے روکیں۔ اس سے رک جاؤ۔ یہاں مَا کا لفظ عام ہے۔ اس میں قرآن و غیر قرآن کی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر فرمایا۔ گیا ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحیٌ یوحی یعنی وہ جو کچھ بولتے ہیں۔ وحی سے بولتے ہیں۔ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جائیگا۔ کہ اگر اس ما کے لفظ کو اس قدر عام کر دیا جائے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری باتیں وحی ہو جائینگی۔ حالانکہ بعض باتوں میں آپ نے رجوع فرمایا۔ مثلاً تابیر نخلہ میں۔ لیکن اگر معترض غور کرے۔ تو اُسے خود صاف معلوم ہو ہو جائیگا۔ کہ اس سے مُراد امردین ہیں۔ نہ کہ دُنیا اس لئے، کہ تابیر نخلہ یعنی کھجوروں کے اصلاح کے معاملہ میں اپنے انتم اعلم بامور دنیاکم فرمایا تھا۔ بامور دینکم نہیں فرمایا۔ اب صرف امردین باقی رہ جاتا ہے۔ تو اگر امردین میں بھی رسُول اپنے دل سے کہا کرے۔ تو یقیناً اس کی رسالت کاذب ہو گی۔ اور وہ رسولوں کی صف میں تو کیا عام انسانی صف میں بھی لائے جانے کے قابل نہ ہوگا۔ پس معلوم ہُوا۔ کہ رسُول امردین کے متعلق جو کچھ بولتا ہے۔ وہ وحی ہوتی کبھی وحی متلو کی شکل میں اور کبھی غیر متلو کی صُورت میں جسے اصطلاح میں وحی خفی کہا جاتا ہے۔ اب اس کے بعد صاف لفظوں میں یُوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ حدیث رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے تین مُستقل کام ہیں۔

(۱) کتاب اللہ کی تفسیر (۲) بعض احکام الہیہ کا مُستقلاً اجراء (۳) تہذیب و تمدن اور اپنے اسوہ حسنہ کی راہ نمائی، پہلے کی دلیل یتلوا علیہم اٰیاتہٖ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ۔ یعنی مَیں نے رسُول بھیجا۔ جو ان پر قرآن پڑھتا ہے۔ اور نفسوں کو پاک کرتا ہے۔ اور انہیں قرآن اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ دُوسرے کی دلیل مَا اٰتاکم الرسول فخذوہُ وَ مَا نھاکُم عَنہ فَانتھوا۔ رسُول جو کچھ دیں۔ اُسے لو۔ اور جس سے روکیں اس سے رُک جاؤ۔ اور اس سے زیادہ واضح آیت وقاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر وَلا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہٗ لڑو اُن لوگوں سے جو

ہیں۔ اب اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ قرآن حکیم مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں دُوسرے انبیا کی اطاعت کا ذکر کرتا ہے۔ کہ اِن کی اُمتّوں پر ان کی اطاعت واجب تھی۔ لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ذکر نہیں کرتا۔ اور مدینہ میں آکر حضرتِ رسولِ کریم کے اتباع کا ذکر اِس کثرت سے ہونے لگتا ہے۔ اصل حقیقت یہ تھی۔ کہ ساری تفصیلات شرعیہ سوا نماز کے سب مدینہ میں نازل ہوئیں۔ نماز تو خدا کے نزدیک اس قدر محبُوب چیز تھی۔ کہ اس نے لوگوں کو مومن بناتے ہی اُن پر نماز فرض کردی۔ اور وہ مسلمانوں کی زندگی کا ایسا شعار ہو گیا۔ جو کسی حالت میں اِس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ لیکن بقیہ احکام شرعیہ مدینہ میں نازل ہوئے۔ اِسی لئے ضرورت پیش آئی۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر زور دیا جائے اور آپ جس طرح فرمائیں۔ اسی طرح وہ انجام دئے جائیں۔ اور سوا بعض تفصیلات کے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ باقی ساری تفصیلات حضرت کی زبان مُبارک سے بطور وحی خفی صادر ہوئیں۔ اِس لئے اطاعت رسُول کی مدینہ میں ہی آکر ضرورت پڑی۔ جہاں احکام شریعت کی تعلیم اور اُس کے اصُول بتانے کی ضرورت تھی۔ اور اسی لئے اِن سورتوں کا مدنی ہونا بھی لازمی تھا۔ کیونکہ اِن میں ایسے ذکر موجُود ہیں۔ جن کا مدینہ کے احکام سے تعلق ہے۔ پس یہ آیات بھی وحی خفی پر کھلا ہوا استدلال ہیں۔

آنحضرت کے احکام ما انزل اللہ میں داخل ہیں

ان تمام شواہد و دلائل کے بعد اب ایک آخری بحث میں اس امر کو پوُری طرح واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام جو بظاہر قرآن میں موجُود نہیں۔ وہ سب کے سب خدا ہی کی طرف سے تھے۔ اور ان کا تعلق وحی خفی سے تھا۔ اس موقع پر بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ حدیث کو ماننا درحقیقت من لم یحکم بما انزل اللہ کے تحت میں آجاتا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بھی اُسی مَا انزل اللہ

اصولی طور پر آگئی ہیں۔ جیسا کہ ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی عنہا نے فرمایا۔ الا قد کان خلقہ القرآن لیکن اُن کی تفصیل قطعاً موجود نہیں۔ پھر ایک شخص جو اپنے آپکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت و اخلاق کا نمونہ بنانا چاہتا ہے۔ وہ اس کے لئے کس دروازہ کو کھٹکھٹائے اور کہاں سے ان کی تلاش کرے۔ ان کی تلاش اسی سُنت کے سرچشمہ سے ہو سکتی ہے۔ اور یہ گوہر مقصود اسی صدف سے مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بے شمار کرم ہے۔ اس امت محمدیہ پر جس نے مقدس رسول کی زندگی کا ہر گوشہ ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ اور آج ہمیں اس قابل بنایا۔ کہ ہم بڑی آسانی کے ساتھ اپنے اولوالعزم رسول کی پیروی کر سکیں۔ ورنہ وہ دقتیں جو دیگر انبیا کی اُمتوں کو پیش آئیں۔ وہی ہمیں بھی پیش آتیں۔ ان کی تعلیموں کے فقدان نے انہیں بجائے انبیا کی تقلید کے سوسائٹیوں اور اشخاص کا مقلد بنایا۔ ٹھیک اسی طرح اگر ہمارے نبی کریم کی حدیث ہمارے سامنے نہ ہوتی۔ تو ہم بھی مختلف دُنیاوی نظام اور جماعتوں کے قوانین کے پابند ہونے پر مجبور ہوتے۔ اور اس بات پر فخر نہیں کر سکتے۔ کہ ہمارا الہامی نظام جو نبی کی زبان سے نکلا۔ اُس نے ہمیں دُوسروں کیطرف ہاتھ پھیلانے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ یہ ساری چیزیں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تدوینی صورت میں آجانے کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ دوسری قوموں کی تعلیم دینی کی طرح یہ چیز بھی ماضی کی تاریکیوں میں فنا ہو کر رہ جاتی۔ اور ہم دُنیا کی قوموں پر الزام دینے کے بجائے خود کف افسوس ملتے نظر آتے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۝

اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے۔ اور اللہ رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں قرار دیتے۔ تیسرے کی دلیل لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ ان مذکورہ بالا آیتوں سے صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تین کام تھے۔ اب اس لئے کتاب اللہ کے علاوہ جتنے احکام بھی آپ سے صادر ہوئے وہ سب اسی وحی خفی کے ذریعہ تھے۔ جس کا مکمل ثبوت تم اگلے صفحوں میں پڑھ آئے ہو۔ مثلاً پالو گدھوں کی حرمت، چنگل والے جانوروں کی حرمت۔ خالہ یا پھوپی کے رہتے ہوئے ان کے شوہروں سے نکاح کی حرمت محصنین کا رجم وغیرہ۔ یہ سب چیزیں خدا ہی کی طرف سے حرام ہوئیں۔ ان کو رسول نے من وراء حجاب والی وحی سے معلوم کر کے حرام کیا۔ کیونکہ وحی متلو نے اس راز کو تو آشکار کر ہی دیا۔ کہ رسول نے بعض چیزیں حرام کیں۔ لیکن ان کے نام وحی غیر متلو کے ذریعہ معلوم ہوئے۔

اب سب سے آخری لیکن اہم چیز جو ضرورت حدیث پر ایک روشن دلیل ہے۔ وہ حضرت کی عملی زندگی ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کا تفصیلی سرچشمہ کتاب اللہ نہیں۔ بلکہ سنت رسول اللہ ہے۔ آپ کی گفتار آپ کا چال چلن۔ آپ کی نمازیں۔ آپ کے حج آپ کے روزے۔ آپ کی زکوٰۃ وخیرات آپ کا لباس۔ آپ کا برادری کے ساتھ سلوک اور طرز معاشرت آپ کے بین الاقوامی تعلقات۔ الغرض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۲۳ سالہ زندگی کا پورا نقشہ اگر ہم تلاش کرنا چاہیں۔ تو ہمیں کہاں ملیگا؟ اور ہم کس طرح قرآن کے حکم و لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پر چلنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرینگے۔ کتاب اللہ اس کی تفصیل سے خالی ہے۔ اس نے مجھے نہیں بتایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے۔ وفد نجران و دیگر وفود سے کس طرح پیش آئے۔ اور کس طرح تخاطب فرمایا۔ آپ کا لباس اس طرح کا تھا۔ آپ کے عصاء مبارک کی یہ نوعیت تھی۔ اب فلاں خاص قسم کا کپڑا پہننے اور فلاں خاص کپڑے کو ناپسند کرتے۔ اہل بیت وازواج علیہم السلام کے ساتھ آپ کیسا معاملہ کرتے۔ قرآن پاک ان کی تفصیل سے خالی ہے۔ بلاشبہ ان میں سے بعض باتیں

علم الروائتہ یعنی اصولِ حدیث کی ابتدائی تقسیم صرف تین صورتوں پر ہے

(۱) صحیح جس کے تمام راوی عادل و ضابط ہوں۔ سلسلہ سند آخر تک متصل ہو روائیت میں کوئی شاذ بات نہ ہو۔ اور نہ کسی علت کا شبہ ہو۔

(۲) حسن ترمذی کی رائے میں حسن وہ حدیثیں ہیں۔ جن میں کوئی شاذ بات نہ ہو۔ کئی طریقوں سے مروی ہوں۔ سند میں کوئی ایسا شخص نہ ہو۔ جس پر کوئی الزام یا تہمت عاید آتی ہو۔

(۳) جو حدیث صحیح یا حسن نہ ہو۔ وہ ضعیف ہے۔ اور اس سے تنہا استدلال کرنا بھی ضُعف سے خالی نہیں، موضوع، مقلوب، شاذ، مُنکر، معلل، مضطرب وغیرہ اسی شاخ سے وابستہ ہیں۔

۴ کس قسم کی روائیتیں شرعی دلیل ہو سکتی ہیں، اِس میں اختلاف ہے۔ صحیح فیصلہ یہ ہے۔ کہ خبر واحد یعنی صرف ایک شخص کا بیان قطعی اور یقینی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ مُفید ظن ہے۔

حدیث متواتر سے فرضیت ثابت ہوتی ہے، اور مشہور سے وہ احکام جو قرآن میں مُطلق مذکور ہیں۔ ان کو مقید کیا جا سکتا ہے۔

اکثر محدثین کے نزدیک خبر واحد سے بھی قرآن کی تخصیص ہو سکتی ہے۔

علم الدرایہ، اس کا واضح مطلب یہ ہے۔ کہ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہو۔ اُس کی نسبت پہلے یہ تنقیح کر لینا چاہیئے۔ (۱) کہ یہ بات انسانی فطرت کے موافق بھی ہے یا نہیں (۲) جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے۔ اُس کی خصوصیتیں اِس میں کہاں تک موجود ہیں۔ (۳) قرینہ عقلی اِس کی نسبت کیا کہہ رہا ہے۔ (۴) جس شخص کی طرف یہ واقعہ مذکور ہے۔ وہ عادتاً اِن باتوں کا خوگر بھی تھا؟ اگر نہیں تھا۔ تو پھر اِس خاص واقعہ کے اسباب کیا ہیں۔

اِن اصُول مُقرّرہ کی بنا پر کئی قسم کی حدیثیں مُشتبہ سمجھی گئی ہیں، یعنی اِس احتمال کی وجہ سے کہ روائیت کے تغیرات نے غالباً واقعہ کی صُورت بدل دی ہو گی۔ محدثین نے فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ ذیل کی یہ حدیثیں کارآمد نہیں ہو سکتیں، اگرچہ یہ تمام وجوہات قطعی طور پر

سُنّت کے معنی اور اُسکی تعریف

لُغت میں سُنت کے معنے اس طریقہ کے ہیں۔ جس پر لوگ چلتے ہیں۔ لیکن اطلاقی صُورت میں اُس کے معنی طریقہ محمُودہ کے آتے ہیں۔ اور غیر محمُودہ کے معنی اُس وقت ہوتے ہیں۔ جب کسی خاص قید کے ساتھ مُقیّد ہو جیسے حدیث کی یہ عبارت من سن سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا الی یوم القیامۃ، لیکن شریعت کی اصطلاح میں آنحضرت کے قول و فعل تقریر کو سنت کہتے ہیں۔ اور اس اصطلاح کے اعتبار سے حدیث و سُنت دونوں مترادف ہیں۔ سُنت کا موضُوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ غایۃ سعادت دارین کا حصول ہے۔ بعضوں نے اس کا موضُوع احادیث رسُول قرار دیا ہے۔ اور غائیت اداب نبی کے ساتھ آراستہ ہونے اُنکی منع کردہ باتوں سے رُکنے کا نام رکھا ہے۔ لیکن یہ صحیح تعریفیں پہلی ہیں۔ حدیث قول فعل تقریر سب سے عام ہے۔ غائیت کو بھی بجائے اسکے فوز دارین کے لفظ سے تعبیر کرنا اصح ہے اس لیے کہ بہت ممکن ہے۔ اداب نبی کیساتھ ظاہری اتصاف ہو لیکن سعادت دارین نصیب[1] ہو

سنت کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ علم بروایۃ الحدیث، اور علم بدرایۃ الحدیث

علم الروایۃ تو وہ ہے۔ جس میں حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک حدیث کے پُہنچنے کی کیفیت سے کبھی راوۃ کے ضبط و عدالت اور کبھی مُتصل غیر متصل ہونے کی حیثیت سے بحث ہوتی ہے۔ اور اس صنف کا نام اصُول حدیث رکھا جاتا ہے۔

علم الدرایۃ وہ ہے۔ جس میں الفاظ حدیث کے مفاہیم و مراد سے قواعد عربیۃ اصُول شرعیہ اور احوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ کرتے ہوئے بحث ہوتی ہے۔

---

[1] کشاف اصطلاحات الفنون صفحہ ۲۰ فہ ذیل علم الحدیث

(۱) یعنی جس حدیث کو دیکھو عقل کے مخالف ہے (۲) یا اصول کے مخالف ہے اس کو موضوع جانو۔ پھر اس تکلیف کی ضرورت نہیں کہ اس کے راویوں کی جانچ ہو، اور اُس کے بیان کی تنقید کی جائے۔ یا وہ حدیث جو مشاہدات کے مخالف ہو۔ یا نص قرآنی یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے مخالف ہو۔ اور کسی طرح تاویل پذیر نہ ہو یا اُس میں ادنیٰ سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی دی گئی ہو۔ یا معمولی اور حقیر سے کام پر بڑے بڑے انعام کا وعدہ ہو۔ یہ آخری قسم کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کے کلام میں بکثرت موجود ہیں۔ یا اکیلا شخص کسی حدیث کو ایسے راویوں سے روایت کر رہا ہو۔ جنھوں نے اس کو پایا ہی نہ ہو۔ یا ایسی حدیث کی روایت تنہا ایک ہی شخص کر رہا ہو۔ جس کے مضمون کا جاننا تمام مکلفین کے لئے ضروری ہو۔ اور اس میں کوئی معذوری نہ ہو۔ خطیب بغدادی نے "کتاب الکفایۃ" کے شروع ہی میں اس اصول کو بیان کر دیا ہے۔ یا حدیث میں کسی ایسے کام کا تذکرہ ہو۔ جس میں بہت سے وسائل درکار ہوا کرتے ہیں مثلاً خانہ کعبہ کے حاجیوں کا شمار، یا روایت میں ایسی بات مذکور ہو۔ جس کے جھوٹ ہونے کی ایک ایسی بڑی جماعت نے تصریح کر دی ہو۔ جن کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا یا ایک دوسرے کی تقلید میں جھوٹ بولتے رہنا عادتاً ممنوع ہے۔ اس قسم کی تمام حدیثیں موضوع سمجھی جائیں گی،

اور تقریباً اس سے ملتا جلتا بیان خطیب بغدادی کا بھی ہے۔

ان من جملۃ دلائل الوضع ان یکون مخالفاً للعقل بحیث لا یقبل التاویل ویلحق بہ ما یدفعہ الحس والمشاھدۃ او یکون منافیاً لدلالۃ الکتاب القطعیۃ او السنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی،

حدیث کے موضوع ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ کہ وہ عقل کے اس قدر مخالف ہو۔ کہ اس کی تاویل بھی نہ ہو سکتی ہو۔ اور اسی سلسلہ میں یہ بھی داخل ہے۔ کہ محسوسات و مشاہدات اس حدیث کے مخالف ہوں۔ یا وہ قرآن کے مفہوم قطعی یا حدیث متواتر یا اجماع کے خلاف ہو (تدریب الراوی صفحہ ۸۹)

کسی حدیث کی موضوعیت کے سبب نہیں بن سکتے۔ لیکن اگر ہو سکتے ہیں۔ تو یہی ہو سکتے ہیں۔

(۱) وہ حدیث جو عقل کے مخالف ہو۔

(۲) جو اصول سے موافق نہ ہو۔

(۳) مشاہدہ کے خلاف ہو۔

(۴) قرآن کے خلاف ہو۔

(۵) حدیث متواتر کے خلاف ہو۔

(۶) اجماع قطعی کے خلاف ہو۔ اور قابل تاویل بھی نہ ہو۔

(۷) جس میں ایک معمولی سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی دی گئی ہو۔

(۸) ذرا ذرا سے کاموں پہ بڑے بڑے انعامات کا وعدہ ہو۔

(۹) حدیث کا سلسلہ روائیت یا مضمون اصولاً قابل اعتراض

علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔

(۱) كل حديث رأيته يخالف العقول او يناقض الاصول فاعلم انه موضوع فلا تتكلف اعتباره اي لا تعتبر رواته ولا تنظر في جرحهم او يكون مما يدفعه الحس والمشاهدة او مباينا لنص الكتاب والسنة المتواترة او الاجماع القطعي حيث لا يقبل شيء من ذلك التاويل (۵) او تضمن الافراط بالوعيد الشديد على الامر اليسير او بالوعد العظيم على الفعل اليسير وهذا الاخير كثير موجود في حديث القصاص والصوفية (۶) او انفراده عمن لم يدرك بما لم يوجد عند غيره (۷) او انفراده بشيء مع كونه فيما يلزم المكلفين علمه وقطع العذر فيه كما قرره الخطيب في اول الكفاية (۸) او بامر جسيم تتوفر الدواعي على نقله كحصر العدو للحاج عن البيت او بما صرح بتكذيبه فيه جمع كثير يمتنع في العادة تواطئهم على الكذب وتقليد بعضهم بعضا فتح المغيث صـ ۱۱۲

ـہ الكلام المرفوع فيما يتعلق باحاديث الموضوع ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔

کے متعلق احتیاط کرتی رہی۔ اور ان کا ایک بڑا گروہ کتابت حدیث کو منع کرتا رہا۔ ابن عبد البر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم و فضلہ میں ان صحابہ و تابعین کی ایک فہرست پیش کی ہے۔ جو کتابت حدیث کو مکروہ سمجھا کرتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ان لوگوں کے اسماء بھی گنائے ہیں۔ جو اس کے جواز کے قائل تھے۔ ابو سعید خدری روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مجھ سے قرآن پاک کے سوا جو کچھ سنو۔ اسے نہ لکھو۔ اور جس شخص نے قرآن کے علاوہ جو کچھ لکھا ہو اسے مٹا دے۔ زید ابن ثابت رض حضرت معاویہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ تو آپ نے ان سے ایک حدیث پوچھی۔ اور کسی کاتب کو اس کے لکھنے کا حکم دیا۔ حضرت زید ابن ثابت رض نے منع فرمایا۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتابتِ حدیث سے منع فرمایا ہے۔ اس نے جو کچھ بھی لکھا تھا۔ اسے مٹا دیا۔ عبداللہ ابن یسار نے حضرت علی رض کو خطبہ دیتے وقت یہ فرماتے سنا۔ کہ تم میں جس شخص کے پاس کوئی نوشتہ ہو۔ اسے یہاں سے جا کر مٹا ڈالے۔ اگلی امت اسی لئے تباہ ہوئی۔ کہ اس نے اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر اپنے علما کی باتوں کا اتباع کر لیا تھا۔ ابو نضرہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری سے کہا۔ کہ کیا میں آپ سے جو کچھ سنتا ہوں۔ اسے لکھ ڈالوں۔ آپ نے فرمایا کیا یہ چاہتے ہو۔ کہ دوسرا قرآن بنا ڈالو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرمایا کرتے تھے۔ ہم لوگ اسے حفظ کر لیا کرتے تم بھی ہماری طرح حفظ کر لیا کرو۔ ابن وہب فرماتے ہیں۔ کہ میں نے امام مالک رح سے سنا۔ کہ حضرت عمر ابن الخطاب نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ یا شاید لکھ بھی لیا تھا۔ کہ پھر فرمایا نہیں اللہ کی کتاب کے رہتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں۔ نیز امام مالک رح نے یہ بھی فرمایا کہ ابن شہاب زہری کے پاس حدیث لکھی ہوئی کوئی کتاب نہ تھی ہاں ان کے نسب نامہ کی ایک کتاب تھی۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ لوگ حدیثیں لکھا نہیں کرتے تھے۔ یاد کر لیا کرتے تھے۔ اور اگر کوئی لکھتا بھی تھا۔ تو اس کی غرض حفظ

ان اصولوں کی واقفیت کے بعد حدیث کی صحت وسقم کا معیار خود واضح ہو گیا۔ خواہ کسی کتاب کی حدیث ہو۔ اور راوی کیسے ہی قابل وثوق ہوں۔ پہلے اس معیار پہ پرکھ کر تنقیح کرلو۔ پھر راویوں کی جرح وتعدیل کا مسئلہ بعد میں طے ہوتا رہیگا۔ اس واضح معیار کے رہتے ہوئے بھی کسی حدیث کی صحت وسقم میں اشتباہ باقی نہ رہنا چاہیئے۔ اور تمام حدیثوں کو اسی اصول پہ جانچنا چاہیئے۔ اور اصل یہ ہے کہ موضوعات کا زیادہ تر سرمایہ مناقب یا منقصت کی حدیثیں ہیں۔ اسی قسم کی بہتیری حدیثیں ہیں۔ جو اصول درائیت وروائیت دونوں سے ناقابل قبول ہیں، یہ بات بھی جاننے کی ہے۔ کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے بعد جب اسلامی شیرازہ بکھر گیا۔ اور لوگوں کی راہیں مختلف ہو گئیں۔ تو خاص خاص مصالح کے ماتحت جماعتوں نے اپنے اغراض کے لئے حدیثیں وضع کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ احکام وامور شرعیہ کے متعلق بھی بہتیری حدیثیں وضع کی گئیں۔ اور فضائل ومناقب میں تو نہ پوچھئے۔ کہ کتنی حدیثیں وضع کی گئیں۔ اور کتنوں نے اپنے دامن آلودہ کئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کی تعلیمات صاف اور کھرے رکھنے تھے۔ اس لئے ایسے لوگ بھی پیدا کر دئے۔ جنہوں نے ہمیں صاف اور واضح راستہ بتا دیا۔ اور حدیث کے اس قیمتی ہار کے تمام جھوٹے موتی علیحدہ کر کے پھینک دئے۔ اور آج ہمارے سامنے جھوٹے اور سچے دونوں موتی موجود ہیں۔ ایک ناقد جوہری کی طرح ہم بڑی ہی دانائی سے ان کی تمیز کر لیتے ہیں۔ موضوع حدیثوں کی پوری تفصیل علم موضوعات الحدیث کے تحت میں انشاءاللہ آئیگی۔

وہ دور جبکہ سنت سفینوں کی بجائے سینوں میں تھی

صحابہ اور کبار تابعین کے دور میں سنت کی تدوین نہیں ہوئی تھی۔ علوم نبوی جو کچھ بھی تھے۔ سب اُن کے سینوں ہی میں تھے۔ اور تلقین رشد وہدائت کا دریا انہیں کے سینوں سے بہتا تھا۔ اور اصل یہ ہے۔ کہ صحابہ کی ایک کثیر جماعت اِن

فرماتے ہیں۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا۔ اُسے لکھ لیا کرتا تھا۔ کہ یکایک قریش نے مجھے یہ کہکر روک دیا۔ کہ تو ہر وہ بات جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ اور خوشی کی حالت میں فرماتے ہیں۔ لکھ لیا کرتا ہے؟ میں رُک گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے اپنے موُنہہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور فرمایا۔ اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس سے حق ہی نکلتا ہے۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ جن سے کتابت حدیث کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ روائتیں فرادے فرادے دُوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ ابو شاہ کی روائیت بخاری و مُسلم میں موجود ہے۔ اکثر علما نے نہی کی دو وجہیں بیان کیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس صورت میں قرآن پاک سے مختلط ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اور پھر قرآن اور غیر قرآن میں کوئی فرق نہ باقی رہیگا۔ دُوسرے یہ کہ لوگ پھر کتابوں پر ہی اعتماد کرنے لگیں گے اور حفظ مفقود ہو جائیگا۔ اور اس کی عادت مٹ جائیگی۔ جیسا کہ وہ اپنے زمانہ میں دیکھ رہے تھے۔ خلیل نے اسی موقع کے لئے کہا ہے۔ کہ علم وہ نہیں۔ جو کتابوں میں ہی علم تو وہ ہے۔ جو سینوں میں ہے۔ اصل یہ ہے۔ کہ دونوں وجہیں صرف احتیاطی ہیں۔ ان سے لکھنے کی نفی نہیں ہوتی۔ اور اسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں قولوں یعنی حضرت ابوسعید کی حدیث اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کہ آپ نے فتح مکہ کے دن ابو شاہ کو حدیث لکھوا دی تھی۔ توافق ہو سکتا ہے۔ نیز اپنے مرض الموت میں جو قرطاس مانگا تھا۔ کہ میں تمہیں کچھ لکھ دینا چاہتا ہوں۔ کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ یا حضرت عمر کو لکھنے کی جو اجازت دی تھی۔ اس سے بھی توافق اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ کتابت کو ناجائز نہ ٹھہرایا جائے۔ بلکہ محض احتیاطاً ایسا کہا گیا تھا۔ یا یہ کہا جائے۔ کہ ابتدائے اسلام میں کتابت حدیث منع تھی۔ بعد میں جب دین الٰہی کی تکمیل اور نعمت کا اتمام ہو گیا۔ تو اجازت دیدی گئی۔ اِس لئے کہ ابتداءً جب تک

مٹا کرتی تھی۔ جس کے بعد وہ مٹا دیتا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ میں نہ خود لکھتا ہوں۔ اور نہ لکھواتا ہوں۔ ابن سیرین فرماتے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل اپنی اسی موروثی کتاب کی وجہ سے تباہ ہوئے۔ جسے اونہوں نے اپنے باپ دادا سے پائی تھی۔ اسود ابن ہلال فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کے پاس ایک کتاب لائی گئی۔ جس میں حدیث لکھی تھی۔ آپ نے منگا کر اُسے دھو ڈالا۔ پھر اُس کے جلانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔ کہ میں ہر اُس شخص کو قسم دیتا ہوں۔ جو یہ جانتا ہو۔ کہ اس قسم کی کتاب کسی کے پاس ہے۔ وہ مجھے مطلع کرے۔ اللہ کی قسم اگر میں جان لوں۔ کہ ہند کے بُت خانہ میں بھی ایسی کوئی کتاب ہے۔ تو وہاں سے بھی حاصل کروں۔ تم سے قبل اہل کتاب اس لئے ہلاک ہوئے۔ کہ اُنہوں نے اللہ کی کتاب اپنے پس پُشت ڈال دی۔ اس طرح کہ گویا اُنہیں اس کا علم ہی نہ تھا۔

یہ تھوڑے سے اقوال بطور نمونہ ان لوگوں کے بیان کیئے گئے۔ جن کے نزدیک کتابت حدیث ناجائز تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ ان لوگوں کے اقوال بھی معلوم کرنا چاہیں۔ جو اس کے جواز کے قائل تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ تو ابوشاہ نامی ایک یمنی شخص اٹھا۔ اور اُس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطبہ ہمیں لکھ دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ ابوشاہ کو یہ خطبہ لکھ دو۔ عمرو ابن شعیب اپنے باپ اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کچھ آپ سے سُنوں اسے لکھ لیا کروں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں میں نے کہا۔ یا رسول اللہؐ خوشی اور غصہ دونوں حالتوں میں آپ نے فرمایا۔ ہاں میرے مُنہ سے ہر حال میں حق ہی نکلتا ہے۔ اور ہمام ابن منبہ فرماتے ہیں۔ کہ مجھ سے زیادہ حدیث جاننے والا بجز عبداللہ ابن عمرو ابن العاص کے اور کوئی دُوسرا نہیں۔ کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے تھے۔ اور میں لکھتا نہ تھا۔ خود حضرت عبداللہ ابن عمر

ہیں منع فرمایا تھا۔ پھر بعد میں اجازت دیدی۔ اور خود بھی لکھنے لگے۔ لیکن اس کے ساتھ ایسا بھی تھا۔ کہ کتابت حدیث کی عام اجازت کے بعد بہتوں نے نہیں لکھا۔ اور اگر لکھا بھی تو حفظ کرنے کے لئے لکھا۔ اور پھر مٹا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ عرب حافظہ بہت قوی رکھتے تھے۔ اور جس بات کو ایک دفعہ سُن لیتے۔ وہ اُن کے آخری لمحۂ حیات تک یاد رہتی۔ مشہور ہے۔ کہ حضرت عبداللہؓ ابن عباس نے کسی مشہور شاعر کے قصیدہ کو جس کا پہلا مصرعہ "من امر انت غاد فمبکر" تھا۔ ایک مرتبہ سننے کے بعد یاد کر لیا تھا۔ اسی طرح ابن شہاب زہری فرماتے تھے۔ کہ میں جب بازار میں جاتا ہوں۔ تو اپنے کان بند کر لیتا ہوں۔ اس لئے کہ میرے کانوں میں جس قسم کی باتیں بھی پہنچتی ہیں۔ وہ مجھے اس طرح یاد ہو جاتی ہیں۔ کہ بھلائے نہیں بھولتیں۔ اور بازار دنیا کی تمام اچھی بُری باتوں کا مرکز ہوتا ہے۔ اس لئے میں وہاں اپنے کان کھولے رکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ جب حافظہ کا یہ حال تھا۔ تو پھر انہیں کسی چیز کے لکھنے کی کیا حاجت تھی۔

تدوین حدیث کا اصلی سبب اور اُسکی نوعیت

اس سے قبل کہ اس چیز کی تفصیل بیان کی جائے۔ یہ بیان کر دینا ضروری ہے۔ کہ علم حدیث کی کتابت قرن اول ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ جیسا کہ آپ نے اوپر کے بیان سے معلوم کیا۔ اور بعض صحابہ کے پاس لکھی ہوئی حدیثوں کے پورے مجموعے تھے۔ لیکن اُس کی حیثیت تدوین کی نہ تھی۔ اور نہ اس قصد سے جمع کئے گئے تھے۔ بلکہ بطور یادداشت زینتِ قرطاس بنے تھے، نیز صحابہ کا عظیم گروہ ایسا تھا جس نے کچھ نہ لکھا تھا اور للاکثر حکم الکل کے قاعدہ پر یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا۔ کہ وہ دَور دَورِ تہذیب و تدوین نہ تھا۔ لیکن اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی۔ کہ اس وقت کسی نے کچھ لکھا ہی نہ تھا۔ پھر تدوین حدیث کیلئے کیا کیا اسباب ہوئے۔ اسے ابن الاثیر الجزری کی زبان سے سُنئے۔ نہایہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

تمام قرآن نازل نہ ہوچکا تھا ڈر تھا۔ کہ کہیں وحی متلو اور غیر متلو کا اتنیا زمٹ نہ جائے اور لوگ غیر قرآن (وحی غیر متلو کو) وحی متلو نہ سمجھ لیں۔ پھر دین کی تکمیل کے بعد اس کا خوف جاتا رہا تھا۔ کیونکہ اب اس میں کسی خارجی چیز کے ملنے کا ڈر ہی نہیں رہا تھا۔ اس کے علاوہ خود جن صحابہ سے حدیث کی کتابت کی ممانعت مروی ہے انہیں سے اس کا جواز بھی ثابت ہے۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ یہ نہی ابتدائے اسلام میں تھی جب قرآن پاک کی تکمیل ہوگئی۔ تو اس کا ڈر جاتا رہا۔ حضرت علی رضہ سے حضرت جحیفہ نے پوچھا کہ آپ کے پاس رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی وصیت یا کوئی بات قرآن کے علاوہ بھی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ قسم خدا کی نہیں۔ ہاں فہم سلیم اور طبع مستقیم ہے۔ جس سے اللہ کی کتاب پڑھ سکوں۔ اور یہ صحیفہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس میں کیا ہے جواب ملا۔ تین باتیں عقل اور اسیر کی رہائی کے متعلق احکام اور یہ کہ کافر کے بدلے مُسلم نہ مارا جائے۔ اس سے مراد حربی کافر ہے۔ ذمی نہیں۔ کیونکہ رسُول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ میں سے ہر ایک نے یہی حکم دیا۔ اموالھم کاموالنا ودماھم کدمائنا ان کے جان و مال کی حیثیت و قیمت اور ہمارے جان و مال کی قیمت برابر ہے۔ اور آنحضرت نے عمرو ابن حزم کو خود ہی کتاب الصدقات دیات۔ فرائض و سنن سب لکھوادئے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ عبداللہ ابن مسعود جنہوں نے حدیث لکھی ہوئی ایک کتاب دیکھ کر اُسے دھو دیا تھا۔ اور آگ کی نذر کردی تھی۔ اور فرمایا تھا۔ کہ اگر مجھے ہند کے بُت خانہ میں بھی کوئی ایسی کتاب ملے تو میں وہاں سے حاصل کروں۔ ان کے صاحبزادہ عبدالرحمن ابن عبداللہ ابن مسعود نے حدیث کی۔ ایک کتاب نکالی اور قسم کھا کر فرمانے لگے۔ کہ یہ میرے والد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ عبدالرحمن بن ابی الزناد اپنے والد سے روائیت کرتے ہیں۔ کہ وہ فرماتے تھے۔ کہ میں حلال و حرام سب لکھ لیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی مثالیں ہیں۔ جن سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ کتابت حدیث ابتدائے اسلام میں منع تھی۔ اور بعد میں جائز کردی گئی۔ اور جن لوگوں نے منع فرمایا۔ وہ انہیں ایام

نے اور یہی زمانہ اِس فن کے عروج کا انتہائی زمانہ تھا۔ اور اسی پر اس کا عروج ختم ہوگیا، پھر اِس کے بعد یہ جذبہ تلاش و تحقیق کم ہوگیا۔ اور ہمتیں سست اور آرزوئیں گم ہوگئیں۔ اور یہ ایک اس پر کیا موقوف ہے۔ تمام علوم و فنون و صنعت و حرفت وحکومت و سلطنت کا یہی حال ہے۔ کہ ایک دوران کے عروج کا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ انتہائی عروج پر پہنچ جاتی ہیں۔ تو آہستہ آہستہ مائل با نحطاط ہوتی ہیں، تو اس علم حدیث کے اِنتہائی عروج کا زمانہ بھی امام بخاری و مسلم اور اُن کے معاصر محدثین کا زمانہ تھا۔ اِن کے بعد یہ علم بھی رو با نحطاط ہُوا۔ یہاں تک کہ ہمارے اِس زمانہ میں اس کی حالت دیکھ رہے ہو۔ اور اس کے بعد والے زمانہ میں اور زیادہ پستی میں آجائیگا۔ اور کمی ہی ہوتی جائیگی۔ پھر اسی کے بعد فرماتے ہیں۔ لوگوں نے اپنی اِن تصنیفوں سے مختلف غرضیں رکھی ہیں۔ بعضوں نے تو صرف حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع کیں۔ تاکہ لفظوں کی حفاظت ہو۔ اور احکام کا ان سے اخراج کیا جائے۔ جیسا کہ سب سے پہلے عبید اللہ ابن موسیٰ العبسی اور ابوداؤد طیالسی وغیرہ۔ آئمہ حدیث نے کیا۔ اور پھر احمد بن حنبل اور اُن کے بعد والوں نے کیا۔ کیونکہ ان لوگوں نے حدیثوں کو اُن کے رواۃ کی مسندوں میں ذکر کر کے اس کے ماتحت ان کی روائیت کی ہوئی سب حدیثیں جمع کر دیں۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق کی حدیثیں اُن کی مسند میں جمع کر دیں۔ پھر درجہ بدرجہ دیگر صحابہ کی حدیثیں جمع کردیں۔ پھر درجہ بدرجہ دیگر صحابہ کی حدیثیں جمع کردیں۔ اور بعضوں نے حدیثیں ابواب و تراجم کے ماتحت ذکر کیں۔ مثلاً احکام صلوٰۃ کی حدیثیں باب الصلوٰۃ کے ماتحت اور زکوٰۃ کی باب الزکوٰۃ میں، جیسا کہ امام مالکؒ نے موطا میں کیا۔ لیکن چونکہ موطا میں حدیثیں کم ہیں۔ اِس لئے اس کے ابواب بھی کم ہُوئے۔ پھر ان کے بعد والوں نے اُن کی روش اختیار کی۔ جب بخاری و مسلم کا زمانہ آیا۔ تو انہوں نے بہت کافی حدیثیں جمع کیں۔ اور اسی وجہ سے ان کے ابواب و اقسام بھی بہت ہوگئے۔ اور اُن کے بعد والوں نے ان کی اقتدا کی۔ اور جمع حدیث کی یہ صورت پہلی صورت

جب اسلام پھیل گیا اور اسلامی آبادیاں بہت وسیع ہو گئیں۔ صحابہ عالم کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے۔ فتوحات اسلامی وسیع تر ہوتے گئے۔ اور اکابر صحابہ نے دُنیا سے رحلت کی۔ اور اُن کے متبعین و مُعتقدین بھی مختلف ملکوں میں سکونت پذیر ہو گئے۔ تو علماء نے تدوین احادیث کی ضرورت محسوس کی۔ اور ان کو کتابی صورت میں لے آنا چاہا۔ اور بخدا یہی اصلی چیز ہے۔ کیونکہ ذہن سے باتیں نکل جاتی ہیں۔ اور حفظ جاتا رہتا ہے، مگر قلم سے نکلی ہوئی چیزیں محفوظ رہتی ہیں۔ ضائع نہیں ہوتیں۔ بھولی نہیں جاتیں۔ یہی صورت حال تھی۔ کہ امام مالک، ابن جریج وغیرہ کا زمانہ آیا۔ اُنہوں نے حدیثوں کی تدوین شروع کی۔ یہاں تک کہ لوگوں میں اِس مسئلہ میں اختلاف ہوا۔ کہ اسلام میں سب سے پہلی تصنیف کس کی ہے۔ امام مالک کی موطا یا ربیع ابن صبیح بصری کی کتاب اس کے بعد جمع حدیث عام طرح پر ہونے لگی اور لوگوں نے اِس باب میں بڑی کثرت کی۔ اور اس سے لوگوں کو بڑا نفع بھی پہنچا۔ یہاں تک کہ ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری ابوالحسین مسلم بن حجاج النیشاپوری کا زمانہ آیا۔ ان دونوں نے اپنی کتاب مدون کی۔ اور اُنہیں حدیثوں کو جمع کیا۔ جن کی صحت پر اُنہیں یقین تھا۔ اُنہوں نے اپنی کتاب کا نام صحیحین رکھا اور یہی دونوں وہ پہلے اشخاص ہیں۔ جنہوں نے اپنی کتابوں کا نام صحیحین رکھا۔ وہ اپنے قول میں سچے نکلے۔ اور اُن کا گمان نیک ثابت ہوا۔ اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کو شرف قبولیت سے سرفراز کیا۔ اور ان کتابوں نے دُنیا کے ہر گوشہ میں تاج شرف پہنا۔ ان کتابوں کی عام مقبولیت اور اس کے مُصنفین کی فرمانبرداری وجلالت شان بیان سے مستغنی ہے، پھر اسی قسم کی تصنیفوں کا ذوق اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور مختلف و بیشمار مقاصد و اغراض کے پیش نظر یہ تصنیفیں بڑھتی رہیں۔ یہاں تک کہ ان دونوں کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اور علما کی مُختلف جماعتوں نے تدوین حدیث کی ہے جیسے ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی و ابی عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی اور ان کے علاوہ بے شمار علماء

حدیث کے اسباب ذیل کے الفاظ میں بیان کئے ہیں۔ مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے علم میں اضافہ کرے جاننا چاہیئے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار خود آپ کے اور آپ کے صحابہ اور کبار تابعین کے زمانے میں مدون نہ تھے۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔ پہلی یہ کہ لوگ شروع شروع کتابت حدیث سے روک دیئے گئے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے "کہ کتاب اللہ سے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلط ملط ہو جانے کا خدشہ تھا، دوسری وجہ یہ بھی ہے۔ کہ لوگوں کا حافظہ بہت قوی تھا۔ اور بہتیرے لوگ لکھنا جانتے بھی نہیں تھے، پھر تابعین کے آخری دور میں تدوین کا کام شروع ہوا۔ جب کہ علماء مختلف شہروں اور ملکوں میں پھیل گئے۔ اور خوارج و روافض اور قدریوں کی کثرت ہو گئی۔ تو پہلے پہل اس تدوین کا کام ربیع بن صبیح اور سعید بن ابی عروبہ وغیرہما نے کیا۔ اور وہ ہر باب علیحدہ علیحدہ لکھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تیسرے طبقہ کے بڑے علماء دوسری صدی کے درمیانی زمانہ میں اُٹھے۔ اور احکام کی تدوین کی۔ امام مالک بن انس نے موطا لکھی۔ اور اہل حجاز کی قوی حدیثیں اور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد والوں کے اقوال جمع کئے۔ اور مکہ میں ابو محمد عبد الملک بن عبد العزیز ابن جریج نے ایک کتاب لکھی، اور اوزاعی نے شام میں ابو عبد اللہ سفیان الثوری نے کوفہ میں حماد بن سلمہ بن دینار نے بصرہ میں۔ اور ہشیم نے واسط میں، معمر نے یمن میں بن المبارک نے خراسان میں، جریر بن عبد الحمید نے "رے" میں تدوین حدیث کی۔

ان سبھوں کی تدوین کا ایک ہی زمانہ تھا۔ اس لئے تقدیم و تاخیر کا کوئی پتہ نہیں لگ سکتا۔ پھر بہتیرے پچھلوں نے ان اگلوں کے نقش قدم پر تدوین شروع کی۔ اور بعضوں کا خیال ہوا۔ کہ آثار صحابہ و تابعین کو چھوڑ کر صرف حدیث نبوی جمع کی جائیں۔ اور یہ تحریک دوسری صدی کے اختتام پر شروع ہوئی۔ تو لوگوں نے مسندیں تصنیف کیں۔ چنانچہ عبد اللہ بن موسی العبسی نے ایک مسند تصنیف کی۔

سے دو وجہوں سے اچھی ہے۔ اولاً اس لئے کہ انسان کبھی کسی خاص مفہوم کی حدیث تلاش کرنا چاہتا ہے۔ اور نہ یہ جانتا ہے۔ کہ یہ کس مسند میں ہے۔ اور نہ اسے اس کے راوی کے متعلق کوئی بحث کرنی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ان مسندوں میں تلاش وجستجو میں سخت دقت واقع ہوتی ہے دوسری وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ جب انسان مثلاً کسی حدیث کو باب الصلوٰۃ میں دیکھے گا۔ تو فوراً سمجھ جائیگا۔ کہ اس میں صلوٰۃ کے متعلق کوئی خاص بات یا حکم بیان کیا گیا ہے۔ تو اسے زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور بعضوں نے تدوین حدیث کی یہ صورت اختیار کی۔ کہ ایسی سب حدیثیں جمع کر دیں۔ جن میں ادق الفاظ یا مشکل مطالب اور اُن کی شرح کی ضرورت تھی۔ لیکن احکام وغیرہ سے کوئی بحث نہیں کی۔ جیسا کہ ابو عبید القاسم ابن سلام اور عبداللہ ابن مسلم ابن قتیبہ وغیرہما نے کیا۔ اور بعضوں نے نفس حدیث کے بیان کے ساتھ احکام کا ذکر اور فقہا کی رائیں بھی داخل کر دیں۔ جیسا کہ ابو سلیمان احمد بن محمد الخطابی وغیرہ نے کیا۔ اور بعضوں نے متن حدیث کو چھوڑ کر صرف حدیثوں کے غریب الفاظ جمع کر دئے۔ ان کا مقصود صرف غریب الفاظ کی تحقیق تھی۔ جیسا کہ ابو عبید احمد بن محمد الہروی وغیرہ نے کیا۔ بعضوں نے صرف ایسی حدیثیں جمع کیں۔ جن میں ترغیب ترہیب اور احکام شرعیہ تھے۔ تو انہوں نے صرف متون اور ان کے احکام سے بحث کی۔ جیسا کہ محمد الحسین بن مسعود البغوی نے اپنی کتاب المصابیح میں کیا۔ ان کے علاوہ اور ائمہ حدیث ہیں۔ جنہوں نے مختلف اصول و نوعیت کے ساتھ تدوین حدیث کی۔ اگر ان سبھوں کا ذکر کروں اور کتابوں کا نام لوں۔ تو ایک غیر متناہی سلسلہ قائم ہو جائے، ابن الاثیر کے اس بیان نے تدوین حدیث کی ضرورت کو بہت واضح کر دیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ دیگر علما کے اقوال بھی سن لینا چاہئیں جن سے مزید بصیرت حاصل ہو۔ کیونکہ اس مسئلہ میں علما نے اختلاف کیا ہے۔ کہ حدیث کی تدوین سب سے پہلے کس کے ہاتھوں ہوئی[1]، حافظ ابن حجر عسقلانی نے تدوین

[1] سیوا التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد مولانا عبدالحی الفرنگی محلی

ہے۔ کہ کوفہ میں سب سے پہلے عبداللہ نے مسند لکھی۔ اور بصرہ میں سب سے پہلے مسدد نے مسند لکھی۔ اور مصر میں سب سے پہلے اسد نے مسند لکھی۔ لیکن اسد نے ان دونوں سے پہلے لکھی۔ اور انتقال بھی پہلے کیا۔ اور صحیح مجرد سب سے پہلے بخاری نے لکھی یہ تفصیل ابن صلاح نے کی ہے۔ انتہی کلام السیوطی۔ صحیح مجرد سے ان کا مقصود یہ ہے۔ کہ صحیح تو پہلے بھی لکھی گئیں۔ لیکن ان میں موقوفات و مقاطیع بھی تھیں۔ جیسے موطا مالک (امام محمد کے اس قول کی ہروی نے بھی اپنی مسند سے تائید کی ہے نیز ابن عبدالبر نے تمہید میں ابن وہب سے روائت کی ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام شہر و ملک کے علما کو لکھا تھا۔ کہ وہ حدیثیں جمع کریں۔ کیونکہ علم کے مٹ جانے اور علما کے فنا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور ابوبکر بن عمرو بن حزم کو بھی لکھا۔ کہ وہ حدیثیں جمع کریں اور میرے پاس بھیجدیں۔ لیکن ان کے بھیجنے سے قبل ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انتقال فرمایا۔

حفاظ و محدثین کے اس بیان کے بعد آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے۔ کہ اس دینی علم کے تدوین کے کیا اسباب ہوئے۔ اور لوگوں نے کتنی جانفشانی و عرقریزی کیساتھ اللہ کے سچے رسول کے اقوال و اعمال کن مفید و اعلیٰ اصولوں میں آپکے سامنے پیش کئے۔ اب اسکی پوری تفصیل معلوم کرنیکے لیئے یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ ان ابتدائی صدیوں میں ہر صدی کے اندر کون کونسی کتابیں عالم وجود میں آئیں

دوسری صدی ہجری کی مشہور کتابیں

موطا امام مالک، جامع سفیان ثوری جامع ابن المبارک جامع جریر ابن عبدالحمید جامع ہشیم، جامع معمر، جامع حماد بن سلمہ، جامع اوزاعی جامع ابن جریج، مسند امام شافعی اور ان کی مختلف الحدیث، جامع عبدالرزاق صنعانی۔ مصنف شعبہ بن الحجاج مصنف سفیان بن عیینہ، مصنف لیث ابن سعد، کتاب الآثار و امالی امام محمد کتاب الخراج و امالی ابویوسف القاضی؛ اس دور کی یہ مشہور ترین کتابیں تھیں۔ ورنہ ان کے علاوہ اس صدی میں اور بہت لوگوں نے تدوین کی تھی، ان میں بعض کتابوں کو شرف قبولیت و بقاء دوام حاصل ہوا۔ اور بعض

اور نعیم بن حماد الخزاعی نے ایک مسند لکھی۔ پھر آئمہ نے اس طریقہ تدوین کو بھی اختیار کیا۔ اور ان کے بعد شاذ ہی کوئی ایسا حافظ الحدیث ہو۔ جس نے ایک مسند نہ لکھی ہو۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ، عثمان بن ابی شیبہ وغیرہم سبھوں نے مسندیں لکھیں، بعضوں نے ابواب و مسانید کو ایک ساتھ بھی جمع کیا۔ جیسے ابوبکر بن ابی شیبہ، الخ، اس کے بعد جو تفصیل انہوں نے لکھی ہے۔ وہ کتاب بخاری کے بیان کے سلسلہ میں آئیگی۔ یہ تو ابن حجر کا بیان تھا۔ لیکن شیخ جلال الدین سیوطی رح کتاب الوسائل فی معرفۃ الاوائل میں لکھتے ہیں۔ حدیث کی تدوین سب سے پہلے ابن شہاب زہری نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ خلافت میں کی۔ اور اس قول کی تصدیق وہ ابو نعیم کی "حلیۃ الاولیا" سے بھی کرتے ہیں۔ ابو نعیم فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے ابن شہاب زہری نے عمر بن عبد العزیز کی خلافت میں تدوین حدیث کی۔ لیکن امام محمد نے اپنی موطا میں مالک سے روائت کی ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا۔ کہ وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث عمر بن الخطاب ودیگر صحابہ کی حدیثیں جمع کر کے میرے پاس بھیجدیں کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علما کے انتقال کر جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ روائت موطا امام مالک میں بھی موجود ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے تمام شہر و ملک کے علما کو لکھا تھا۔ کہ وہ حدیثیں جمع کریں۔ کیونکہ علم کے مٹ جانے اور علما کے فنا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور ابوبکر بن عمرو بن حزم کو بھی لکھا۔ کہ وہ حدیثیں جمع کرلیں اور میرے پاس بھیجدیں۔ لیکن ان کے بھیجنے سے پہلے ہی حضرت عمر بن عبد العزیز نے انتقال فرمایا۔

اس کے بعد ان کا بیان حافظ ابن حجر اور عراقی سے ملتا جلتا ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں۔ کہ اس بات میں بھی اختلاف ہے۔ کہ مسند سب سے پہلے کس نے لکھی۔ دار قطنی کا بیان ہے۔ کہ نعیم نے۔ خطیب کہتے ہیں۔ اسد بن موسیٰ نے حاکم کہتے ہیں۔ عبید اللہ نے عقیلی کہتے ہیں یحیی الحمانی نے، ابن عدی کا بیان

شوق ہے۔ تو کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون دیکھنا چاہیئے۔

چوتھی صدی ہجری کی مشہور کتابیں :۔

المعجم الکبیر و الاوسط و الصغیر الامام سلیمان ابن احمد الطبرانی، کبیر میں صحابہ کی ترتیب حروف کے قاعدہ پر کی ہے۔ اور تقریباً ساڑھے بیس ہزار حدیثیں جمع کی ہیں۔ اور اوسط اور اصغر میں اپنے شیوخ کو اسی ترتیب حروف کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ سنن دارقطنی، صحیح ابی حاتم محمد حبان البستی صحیح المنتقی لابن السکن۔ سعید بن عثمان البغدادی، المنتقی لقاسم ابن اصبغ محدث الاندلس، مصنف الطحاوی مسند ابن جمیع محمد بن احمد، مسند محمد بن اسحاق۔ مسند ابی اسحاق ابراہیم بن نصر المروزی وغیرہ۔

موطا الامام مالک رح

دوسری صدی ہجری کی صحیح ترین کتابوں میں ہے۔ امت نے اس کی بڑی قدردانی کی۔ اور اس کو حدیث کی معتبر کتاب سمجھی۔ اس کا نام موطا رکھنے کی بعض لوگ یہ وجہ بتاتے ہیں۔ کہ امام مالک نے اپنی یہ کتاب مدینہ کے ستر فقیہوں کو دکھا کر اس کی تصدیق کرائی تھی۔ اس لئے اس کا نام موطا رکھا۔ کیونکہ توطء کے معنے روندنے کے ہیں۔ تو گویا ان ستر بزرگوں نے اس کو روندا تھا۔ یعنی اس کی صحت کی تصدیق کی تھی۔ موطا مختلف قسم کی روائیتوں کا مجموعہ ہے۔

مرفوع، مسند، منقطع، مرسل، ہر طرح کی روائیتیں اس میں موجود ہیں، امام نے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ احتجاج کیا ہے۔ امام کے بعض مقلدین نے موطا کے تمام مراسیل و منقطعات کو موصول کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے کوئی مرسل، منقطع، اور معضل روائیت ایسی نہیں چھوڑی۔ جسے متصل یا مسند نہ کر دیا ہو۔

فنا اور معدوم ہوگئیں۔ یہ مشہور ترین کتابیں تھیں۔ اس لئے ان کا فراموش کرنا درست نہ تھا۔

تیسری صدی ہجری کی مشہور کتابیں

بخاری، مسلم، ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، ترمذی، مسند امام احمد بن حنبل المنتقی فی الاحکام لابن الجارود مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب محمد بن نصر المروزی مصنف سعید بن منصور، کتاب تہذیب الآثار لمحمد بن نصر المروزی یہ کتاب ان کی بہترین کتابوں میں ہے۔ اس کی بہت سی خصوصیات دوسروں میں نہیں ملتیں۔ المسند الکبیر لبقی بن مخلد القرطبی اسکی ترتیب اسماء صحابہ پر رکھی ہے، اور اس میں ایک ہزار تین سو سے کچھ زیادہ صحابہ کی روائتیں جمع کی ہیں۔ پھر ہر صحابی کی حدیث ابواب فقہ کے قاعدہ پر ذکر کی ہے، کتاب اپنے ضبط اتقان اور راویوں کی عدالت کے لحاظ سے بہت اعلیٰ ہے۔ مسند عبد اللہ بن موسیٰ، مسند اسحاق بن راھویہ مسند عبد ابن حمید، مسند دارمی، مسند ابو یعلی الموصلی مسند ابواسامۃ الحارث بن محمد التیمی، مسند ابن ابی عاصم احمد بن عمرو الشیبانی، اس میں تقریباً پانچ ہزار حدیثیں ہیں مسند ابن ابی عمر محمد یحیی العدنی، مسند ابی ہریرہ لابراہیم بن حرب العسکری، مسند الامام علی لاحمد بن شعیب النسائی، مسند العنبری ابراہیم ابن اسماعیل الطوسی، مسند کبیر للبخاری، مسند مسدد ابن مسرھد مسند محمد بن مہدی، مسند الحمیدی، مسند ابراہیم بن معقل النسفی، مسند ابراہیم بن یوسف الصنجانی، مسند مالک ابن انس لاحمد بن شعیب النسائی، المسند الکبیر الحسن بن سفیان، المسند المعلل لابی بکر البزار، مسند بن سنجر المسند الکبیر یعقوب بن شیبہ اس سے بہتر مسند کوئی نہ لکھی گئی۔ لیکن پوری نہ کی جاسکی۔ مسند علی بن المدینی، مسند ابن ابی عذرہ احمد بن حازم۔ مسند عثمان بن ابی شیبہ ان کے علاوہ اس صدی کی اور بھی بہت سی مسندیں ہیں۔ جو طوالت کے خوف سے نظر انداز کی جاتی ہیں۔ اگر تحقیق کا

کے نزدیک صحت حدیث کے لئے یہ مراسیل و منقطعات وغیرہ نقصان نہیں ہیں۔ اسی لئے امام مالک رح اپنی اصل کتاب میں ان سے دلیل لاتے ہیں۔ اور بخاری اصل کتاب میں کوئی مرسل و منقطع حدیث نہیں لاتے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ مرسل وغیرہ اگرچہ اگلے آئمہ کے نزدیک قابل حجت تھیں۔ لیکن مرفوع و مسند کے مقابلہ میں وہ نہیں لائی جا سکتیں۔ موطا امام مالک کی مختلف شرحیں لکھی گئیں۔ اور مختلف اختصار کئے گئے، حافظ ابن عبدالبر نے ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام "التقصی لاحادیث الموطا" اور ایک کا نام التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید رکھا۔ ابن حزم اس کتاب کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں۔ کہ یہ فقہ و حدیث دونوں کا مجموعہ ہے۔ اور ایسی بے نظیر کتاب میری نظروں سے نہیں گذری۔ موطا کی ایک شرح ابو محمد عبداللہ ابن محمد النحوی البطلیوسی نے کی۔ ایک شرح قاضی ابن العربی المالکی المغربی نے القبس کے نام سے کی۔ ایک شرح جلال الدین سیوطی رح نے کشف المغطا فی شرح الموطا کے نام سے کی۔ پھر اس کا ایک اختصار تنویر الحوالک کے نام سے کیا۔ ایک شرح محمد بن عبدالباقی الزرقانی نے تین ضخیم جلدوں میں کی۔ دو شرحیں (فارسی و عربی) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کی۔ فارسی شرح کا نام مصفیٰ رکھا۔ جس میں صرف احادیث و آثار کی شرح کی۔ اور بلاغات وغیرہ حذف کر دیئے۔ اس شرح میں شاہصاحب نے اجتہادی روش اختیار کی ہے، عربی شرح کا نام مسوی رکھا۔ اور حسب ضرورت مباحث لکھے۔ اور لغات غریبہ کی تحقیق کی، موطا کے مختصرات بھی بہت ہیں۔ جن میں کچھ نمونے یہ ہیں۔ مختصر الامام الخطابی احمد بن محمد البستی، مختصر ابی الولید سلیمان ابن خلف الباجی و ابن رشیق القیروانی،

"موطا کی شرحوں کے مختلف اغراض"

موطا کی شرحیں علما نے مختلف پہلوؤں سے کیں۔ غرائب موطا، رجال موطا

ہاں صرف چار حدیثیں ایسی رہ گئیں جن کی سند کا کوئی پتہ نہ لگ سکا، موطا کی کل حدیثیں سترہ سو بیس ہیں ۶۰۰ مسند، ۲۲۸ مرسل، ۶۱۳ موقوف، اور دو سو پچاسی اقوال تابعین ہیں۔ امام مالک کی موطا جب عالم وجود میں آئی۔ تو اس کی عظمت تمام کتابوں سے زیادہ ہوئی۔ ابو نعیم نے حلیہ میں لکھا ہے کہ ہارون رشید نے امام مالک سے اجازت چاہی تھی۔ کہ موطا کو خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دے اور تمام لوگوں کو اسی کی پیروی کا حکم دے۔ لیکن حضرت امام نے یہ کہکر روک دیا۔ کہ صحابہ کرام فروع میں باہم دیگر مختلف ہیں۔ اور اپنی بصیرت کے ماتحت مُصیب ہیں۔ اس لئے لوگوں کو کسی ایک مذہب پر مجبور کرنا درست نہیں، ہارون نے کہا۔ ابو عبداللہ تم ٹھیک کہتے ہو، اور اپنے خیال سے رجوع کر لیا۔ بعضوں نے اس حکایت کو منصور کی طرف منسوب کیا ہے امام شافعی رح کا خیال ہے۔ کہ کتاب اللہ کے بعد مالک کی کتاب سب سے زیادہ صحیح ہے۔ لیکن جمہور محدثین اُس کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ امام شافعی نے یہ اس وقت کہا تھا جب بخاری نہیں لکھی گئی تھی۔ لیکن بخاری کی تصنیف کے بعد اب افضلیت کا شرف بخاری کو حاصل ہے۔ کیونکہ امام شافعی نے اس وقت کی تصنیف شدہ کتابوں کے مقابلہ میں یہ فرمایا تھا۔ جیسے جامع سفیان ثوری و مُصنف حماد بن سلمہ وغیرہ ابن حجر نے ابن صلاح سے یہی نقل کیا ہے۔ نیز فتح المغیث میں سخاوی اور تدریب الراوی میں سیوطی نے اس کی کافی بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کتاب اللہ کے بعد اصح ترین کتاب بخاری اس کے بعد مُسلم ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں صحیح حدیثیں موطا مالک سے زیادہ ہیں۔ لیکن بعض آئمہ حدیث بخاری کو موطا پر افضل کرنے میں یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ جب شرائط صحت میں دونوں برابر ہیں۔ تو پھر بخاری کی افضلیت کے کیا معنی ہیں۔ اس کا جواب حافظ ابن حجر نے یوں دیا ہے۔ اس کا فیصلہ دونوں کے شرائط صحت کے موازنہ سے کیا جائے۔ امام مالک رح کی کتاب میں مراسیل و منقطعات و بلاغات سے بھی دلیل لائی گئی ہے۔ کیونکہ ان

کی ہے۔ جنہوں نے اِس پاکیزہ طریقہ کی بُنیاد رکھی۔ اور دوسروں کو اِس راہ پر چلنے کا موقع دیا۔ امام بُخاری کے بعد امام مُسلم نے اِسی طریقہ پر اپنی کتاب لکھی۔ پھر ان دونوں کے بعد یا اُن کے زمانہ میں دیگر محدثین نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ اور یہ سچ ہے۔ کہ علم حدیث کا درخشندہ دور یہی تیسری صدی ہے۔ اِسی میں یہ علم اِنتہائی کمال کو پہنچا۔ اور سنت کی سب سے مشہور کتابیں اِسی دور میں لکھی گئیں۔ اِسی میں ابوداؤد ابن ماجہ، ترمذی، نسائیؒ نے اپنی کتابیں لکھ کر حدیث کی حقیقی عظمت سے دُنیا کو رُوشناس کیا۔ ورنہ اس سے قبل تک دُنیا نے اس جامعیت کی کتابیں مطالعہ نہیں کی تھیں۔ اور عام اِنسانی فہم ان کی تدوین کے قبل حدیث کی صحت وسقم کا کوئی صحیح معیار نہیں معلوم کر سکتا تھا۔ ابن الاثیر نے بالکل صحیح کہا ہے۔ کہ تیسری صدی ہی اس علم کے آخری عرُوج کے ایام ہیں۔ جس کے بعد دُوسرے علوم وصنعتوں کی طرح یہ علم بھی انحطاط پذیر ہوتا گیا۔

اس بیان کے بعد یہ بھی معلوم کر لینا چاہئے۔ کہ صحیح وغیر صحیح احادیث کے جمع کرنے کی بھی محدثین نے مُختلف صورتیں قایم کیں۔ بعضوں نے ان کی ترتیب فقہی اصُول پر قایم کی۔ اور ہر باب کے ماتحت اس کے مطابق حدیثیں درج کیں۔ جیسے صلوٰۃ (نماز) کی حدیث باب الصلوٰۃ کے اندر اور زکوٰۃ کی باب الزکوٰۃ میں۔ اور اُس میں بھی دو طریقے قائم ہُوئے۔ کہ اس ترتیب سے بعضوں نے صرف صحیح حدیثوں پر اکتفا کیا۔ اور بعضوں نے صحیح کے ساتھ، حسن وغیرہ داخل کر دیں۔ جیسے ابوداؤد ترمذی نسائیؒ وغیرہ نے کیا۔ جمع حدیث کی دُوسری صورت بطور مسانید ہوئی۔ جس کا اشارہ اوپر کے بیان میں ہو چکا ہے) کہ وہ اس طرح کہ ہر صحابی کے نام سے اُس کی ساری روایات جمع کر دیں۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ کے نام کے ماتحت ان کی ساری مرویات جمع کر دی گئیں۔ چاہے وہ مختلف المعانی ہوں پھر اسماء صحابہ کی ترتیب بھی مختلف طور پر قائم ہوئی۔ بعضوں نے حروف معجم کے قاعدہ پر ترتیب دی۔ جیسے طبرانیؒ نے معجم کبیر اور ضیاء نے مختارہ میں کیا۔ لیکن افسوس کہ مختارہ کی تکمیل نہ

شواہد موطا، اطراف الموطا، موطا کے غرائب کی تحقیق میں، ابرقی، احمد بن عمران الاخفش
ابو القاسم العثمانی، نے شرحیں لکھیں۔ رجال کی تحقیق میں، ابو عبد اللہ الحذاء، ابو
عبداللہ بن المفرح، برقی، ابو عمر الطلمنکی نے کتابیں لکھیں۔ شواہد موطا قاضی اسماعیل نے
لکھی۔ دار قطنی نے اختلاف الموطا ابو الولید باجی ابوبکر ابن العجیب نے اطراف الموطا
لکھیں۔ ابن عبد البر نے التقصی فی مسند حدیث الموطا و مرسلہ، کے نام سے
ایک شرح لکھی۔ یہ معتد بہ بیان موطا پر ایک حد تک تفصیلی بصیرت کے لیئے لکھا
گیا ہے۔ آئندہ باب میں موطا کے متعلق مزید بحث و تمحیص کی جائیگی۔ اس کتاب
کے علاوہ دوسری صدی ہجری کی کوئی ایسی کتاب نہیں۔ جو عام اُمت کی گرویدگی
و شیفتگی حاصل کر سکی ہو۔ اس لیئے اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

تیسری صدی ہجری کی وہ کتابیں جنمیں صرف احادیث نبوی جمع کی گئیں

اب تک یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ حدیثیں کس زمانہ سے جمع کی جانے لگیں۔
اور اُن کے کیا اسباب ہوئے۔ لیکن یہ معلوم کرنا باقی تھا۔ کہ ہر دور میں اُس کی
تدوین کس نوعیت سے ہوتی رہی۔ دوسری صدی ہجری تک تو اکثر مصنفین نے
اپنی کتابیں اِس طرح لکھیں۔ کہ حدیث مرفوع کے ساتھ اقوال صحابہ و تابعین و تبع
تابعین سب جمع کر دیے۔ اور کسی ایک مسئلہ کے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اور صحابہ، تابعین تبع تابعین سے جو کچھ بھی پہنچا۔ سب اکٹھا کر دیا۔ لیکن تیسری
صدی کی ابتدا ہی سے تصنیفی ذوق بدل گیا۔ اور لوگ صرف حدیثیں جمع کرنے لگے
لیکن اِس جمع و تدوین کی بھی مختلف صورتیں قائم ہوئیں۔ بعضوں نے صرف حدیثیں
جمع کر دیں۔ اور اُن کی صحت و سقم سے کوئی بحث نہیں کی۔ گویا ان کی کتاب صحیح
حسن، ضعیف، منکر ہر قسم کی روائیتوں کا مجموعہ بنی۔ بعضوں نے اِس غلطی کو محسوس
کیا۔ اور صرف صحیح حدیثیں جمع کیں۔ ان میں سب سے نمایاں شخصیت امام بخاری

بہتر اور پسندیدہ طریقہ کی آپ کو خبر دینا چاہتا ہوں۔ بعض ائمہ نے حدیثوں کی تدوین معلل کی ہے۔ معلل کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہر حدیث کے ساتھ اس کے سارے طرق روائیت، اختلاف رواۃ سب کچھ بیان کئے جائیں۔ علل حدیث کی پہچان علم حدیث کا ایک بہت بڑا فن ہے اور اسی کے ذریعہ حدیث کے مراسیل و مرفوعات کی صحیح شناخت ہوتی ہے۔ اور بھی بہت سے باریک و پوشیدہ رموز اسکے ذریعہ حل ہو جاتے ہیں۔ اس طریقہ تصنیف کی بھی مختلف نوعیت ہے۔ بعضوں نے ابواب کے ماتحت حدیثیں جمع کیں۔ جیسے ابن ابی حاتم نے کیا۔ اور بعضوں نے بطریق مسند جیسے حافظ یعقوب ابن شیبۃ البصری نے کیا۔ انہوں نے اپنی مسند معلل اسی قاعدہ پر لکھی۔ لیکن افسوس تکمیل نہ کر سکے۔ اگر یہ تمام ہوتی۔ تو شاید سو جلدوں سے کم نہ ہوتی۔ لیکن پھر بھی عشرہ مبشرہ، مسند عباس، ابن مسعود، عتبہ، ابن غزوان، بعض موالی عمار، ان حضرات کی مسندیں مکمل کر لی تھیں اور لوگوں کا بیان ہے۔ کہ صرف حضرت علی علیہ السلام کی مسند پانچ جلدوں میں تمام ہوئی تھی۔ الغرض یعقوب ابن ابی شیبہ کی اتنی انتھک کوششوں کے بعد بھی یہ مسند پائہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ اسی لئے بعض مشائخ کا خیال ہے۔ کہ آجتک کوئی معلل مسند پائہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

اس کے علاوہ بعض محدثین کا یہ طریقہ بھی رہا ہے۔ کہ وہ بعض خاص طرق، ابواب وتراجم کی تدوین کرتے ہیں۔ جیسے رفع الیدین کے باب میں امام بخاری کی ایک خاص تصنیف اور باب القضا بالیمین مع الشاہد، ابن دارقطنی کی ایک تصنیف یا بعض خاص خاص شیوخ کی حدیثیں بعضوں نے جمع کیں۔ جیسے اسماعیلی رح نے اعمش کی حدیثیں، نسائی نے فضیل ابن عیاض کی حدیثیں، تراجم کے جمع کے یہ معنی ہیں۔ کہ کسی ایک محدث کے کے ایک سلسلہ سے جتنی حدیثیں آئیں انکو جمع کر دیا جائے۔ جیسے مالک عن نافع عن ابن عمر یا سہیل عن ابی صالح عن ابی ہریرہ انکو بعض محدثین نے جمع کیا۔ جمع طرق کے مطلب یہ ہیں۔ کہ بعض خاص حدیثوں کی جتنی سندیں ہوں۔ ان سبھوں کو جمع کر دیا جائے جیسے "قبض علم" والی حدیث کے سارے طرق (سند) طوسی نے اور حدیث من کذب علی متعمداً کے سارے طرق، طبرانی نے جمع کئے۔ اور اسی طرح اور حدیثوں کے طرق بھی بہتوں سے جمع کئے ہیں۔

ہو سکی۔ یہ صورت مطالب حدیث معلوم کرنے کے لئے بہت سہل اور عمدہ ہے۔ بعضوں نے قبائلی ترتیب رکھی۔ مثلاً پہلے بنی ہاشم اس کے بعد درجہ بدرجہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لوگ نسب میں قریب تر تھے۔ اُن کو رکھا بعضوں نے ترتیب اسماء میں سبقت اسلام کا لحاظ رکھا۔ اور پہلے عشرہ مبشرہ ان کے بعد اہل بدر ان کے بعد اہل حدیبیہ اُن کے بعد حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ایمان لانے والے صحابہ، پھر وہ جو فتح مکہ میں ایمان لائے۔ پھر وہ صحابہ جو سن کے اعتبار سے بہت چھوٹے تھے۔ اس کے بعد صحابیات کے بیان پر اپنی کتاب ختم کی۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ایک تیسرا طریقہ اختیار کیا ہے۔ جس کی ترتیب پانچ قسموں پر ہے، اوامر، نواہی، اخبار، اباحات، افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر ان پانچوں کی مختلف قسمیں ہیں۔ ایسی صورت میں ان کی کتاب سے معلومات اخذ کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن بعض متاخرین نے اس دقت کو دیکھ کر اس کی ترتیب بقاعدہ ابواب کر دی ہے۔ حافظ ابو الفضل عراقی نے اس کے اطراف قائم کئے ہیں۔ اور حافظ ابو الحسن ہیثمی نے اُس کا وہ حصہ جو بخاری مسلم سے زائد تھا۔ ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ بعض محدثین نے جمع حدیث کی ایک اور صورت پیدا کی ہے۔ جو تمام صورتوں سے علیحدہ ہے۔ یعنی حدیث کی ترتیب حروف معجم کے قاعدہ پر کی ہے تو گویا حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ حرف الف کے ضمن میں ہو گی۔ ابو منصور دیلمی نے مسند الفردوس میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ نیز ابن طاہر نے ابن عدی کی کتاب الکامل کی حدیثوں کے بیان کرنے میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ بعضوں نے حدیثیں بصورت اطراف جمع کی ہیں، اطراف کے معنی یہ ہیں کہ پوری حدیث کا ایک ٹکڑا بیان کیا جائے۔ اور پھر اُس کے سارے طرق کتابوں کے حوالہ کے ساتھ یا بغیر حوالہ بیان کئے جائیں۔ جیسا کہ ابو العباس احمد بن ثابت العراقی نے اطراف الکتب الخمسہ کے بیان میں کیا ہے۔ علم الاطراف کی پوری بحث انشاء اللہ آگے آئیگی۔ ان ساری تفصیلوں کے بعد میں ایک اور

بھی قلت روائت میں مشہور تھے۔ اور صحابہ میں جو حضرات زیادہ روائت کرتے۔
اُن پر بمقتضاء احتیاط نکیر کی جاتی۔ کہ کثرت میں غلطی کا احتمال ہے۔ اور دین میں
اِس قسم کی غلطیاں بے شمار مفاسد کا دروازہ کھولتی ہیں۔ اسی لئے حضرت
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر بعض صحابہ نے نکیر کی۔ جس کے لئے انہیں اپنی برأت کرنا پڑی کہ لوگ
کہتے ہیں - - - - - - ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) حدیثیں بہت بیان کرتا ہے
لیکن اُس کے وجوہات پر وہ غور نہیں کرتے ۔ میرے بھائیوں میں مہاجرین تو
بازاری کاروبار میں مشغول رہتے۔ اور انصار کھیتی باڑی میں۔ لیکن میں ہمہ دم نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا۔ اور وہ چیزیں حاصل کرتا۔ جسے
وہ نہ حاصل کر سکے۔ علاوہ ازیں اگر کتاب اللہ کی یہ دو آئتیں نہ ہوتیں۔ تو میں ایک
حدیث نہ بیان کرتا۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی من
بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللاعنون
الا الذین تابوا و اصلحوا و بینوا فاولئک اتوب علیھم و انا
التواب الرحیم۔ یعنی بینات اور ہدائت کے چھپانے کی سخت وعید آئی
تھی۔ اِس لئے آپ اسے چھپا نہیں سکتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ کا اشتیاق حصول
حدیث، اور اس کی حفاظت اِس قدر مدنظر تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اس سے خوب واقف تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت ابوہریرہ نے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا۔ کہ یا رسول اللہ من اسعد الناس
بشفاعتک یوم القیامۃ تو آپ نے فرمایا لقد ظننت یا اباھریرۃ
الا یسالنی عن ھذا الحدیث احد اول منک لما رأیت من حرصک
علی الحدیث یعنی چونکہ میں تمہارا حدیث کے لئے اشتیاق خوب جانتا ہوں۔
اس لئے مجھے خیال تھا۔ کہ تم ہی سب سے پہلے مجھ سے یہ سوال کروگے
اسی طرح حضرت ابوبکر، عمر، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین روائت حدیث میں

لہ بخاری کتاب العلم

روائت حدیث میں صحابہ کا مسلک

صحابہ کرام جن کا سینہ سنت کا گنجینہ تھا۔ اور جن کے پاس قرآن کے بعد حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ جسے وہ اپنا راہ نما بناتے۔ اور جو سب سے زیادہ آپ کے حکم پر چلنے والے اور آپ کی منع کردہ باتوں سے رکنے والے تھے۔ جہاں وہ اپنے تئیں یہ سمجھتے تھے۔ کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنا ہمارے واجبات سے ہے۔ وہاں خود احتیاط اور دوسروں سے بھی احتیاط کرانی ضروری سمجھتے تھے، بیان حدیث تو اس لئے تھا۔ کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ مجھ سے جو کچھ سنو۔ وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ کہ بہتیرے[1] وہ جو براہ راست مجھ سے سنتے ہیں۔ اُن سے زیادہ احفظ وہ ہوتے ہیں۔ جن[2] تک میری باتیں پہونچائی جاتی ہیں۔ اور احتیاط اس لئے تھی۔ کہ مَنْ کَذَبَ علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار کی صریح وعید تھی، یہی ایک وجہ تھی کہ صحابہ کی ایک جماعت کثرت روائت سے خائف تھی۔ ان کا خیال تھا۔ کہ وہی حدیثیں بیان کی جائیں۔ جن کے حفظ پر پورا یقین ہو۔ اسی لئے حضرت عبد اللہ ابن مسعود جب حدیث بیان فرماتے۔ تو ان کا چہرہ خوف الٰہی سے سرخ ہو جاتا۔ اور فرماتے۔ نبی کریم نے یہ فرمایا یا ایسا فرمایا یا ویسا فرمایا۔ یعنی آپ کے الفاظ یہ تھے۔ یا دوسرے تھے۔ اسی تردد کیساتھ وہ پوری حدیث بیان فرماتے۔ اِن کے علاوہ حضرت[3] زبیرؓ ابو عبیدہ ابن الجراحؓ، عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہم بھی

---

[3] حجۃ اللہ البالغہ [1] بخاری [2] رُبَّ مبلغ اَدْعٰی مِنْ سامِع

یہ بھی ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے جب اہل عراق کی تعلیم کے لئے حضرت قرظہ کو بھیجا۔ تو یوں فرمایا۔

عن قرظۃ بن کعب قال لما سیرنا عمر الی العراق مشی معنا عمر وقال اتدرون لما شیعتکم قالوا امکرمۃ قال ومع ذلك فانکم تاتون اھل قریۃ لھم دوی بالقرآن کدوی النحل فلا تصدوھم بالاحادیث فتشغلوھم جردوا القرآن واقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا شریککم فلما قدم قرظۃ قالوا حدثنا فقال نھانا عمر رض (انتہی تذکرۃ الحفاظ)

ترجمہ:۔ حضرت قرظہ کا بیان ہے۔ کہ عمر فاروق جب ہمیں عراق تعلیم دین کے لئے روانہ کرنے لگے۔ تو کچھ دُور تک ہماری مشایعت کی۔ اور خود ہی فرمایا۔ ہماری مشایعت کے سبب سے تم واقف ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں ہماری عزت افزائی کے لئے آپ نے فرمایا۔ یہ بھی ہے۔ لیکن بڑا مقصود یہ کہنا ہے۔ کہ تم ایسی جماعت کے پاس جا رہے ہو۔ جو قرآن مکھی کی آواز کی طرح پڑھتی ہے۔ دیکھو احادیث کی طرف انہیں متوجہ نہ کر دینا قرآن کی تعلیم دینا اور حدیثیں کم بیان کرنا میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں قرظہ جب عراق پہونچے۔ تو لوگوں نے حدیثیں معلوم کرنا چاہیں۔ آپ نے یہ کہکر روک دیا۔ کہ مجھے عمر نے منع کیا ہے۔

حضرت عمر کی اِسی احتیاط نے اُن کے مبارک دور کو فتنے کا امجگاہ ہونے سے بچایا۔ ورنہ حدیث کی کثرت کا یہ حال اگر ان کے زمانے میں بھی جاری رہتا۔ جو ان کے بعد جاری ہوُا۔ تو ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت بھی تاریخ کے صفحات میں ایام فتن کے نام سے پکاری جاتی اور دور اسلامی کا یہ درخشندہ دور بھی مسلمانوں کے لئے رحمت کی بجائے زحمت کا دور ہوتا، عمر فاروق وابوبکر صدیق نے کثرت حدیث کو اپنی پوری طاقت سے روکا اور بہتیری ایسی حدیثیں قبول کرنے سے صاف انکار فرمایا۔ جو اُن کے نزدیک قابل قبول نہ تھیں۔ فاطمہ بنت اسد کا واقعہ ابوموسیٰ اشعری

احتیاط کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق نے سریر آرائے خلافت ہوتے ہی جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اُس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ لوگو، ایسی حدیثیں روایت نہ کرو۔ جو متضاد ہوں۔ اِس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ علامہ ذہبی نے آپ کے اِس خطبہ کو نقل کیا ہے۔ میں اس کا ملخص آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

انکم تحدثون احادیث تختلفون	تم لوگ روایت حدیث میں مختلف
فیہا والناس بعدکم اشد	انداز بیان رکھتے ہو۔ جس کی وجہ سے
اختلافا۔ فلا تحدثوا شیئاً	تمہارے بعد والوں میں شدید اختلاف
ملخصاً	ہو جائیگا۔ اِس لئے تم حدیث نہ بیان کرو

چنانچہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس ایک عورت نے کسی کی دادی ہونے کی حیثیت سے اُس کا ترکہ مانگا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کتاب اللہ میں دادی کا کوئی حصہ نہیں۔ حضرت مغیرہ اس محفل میں موجود تھے۔ فرمانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو سُدس دیا ہے۔ آپ نے فرمایا گواہ لاؤ۔ محمد ابن مسلمہ نے گواہی دی۔ تو آپ نے اُسے سدس دلا دیا۔ اسی احتیاط کا نتیجہ تھا۔ کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں اتنے فتنے نہیں رونما ہو سکے تھے۔ جو ان کے بعد رونما ہوئے۔ کہ وہ حدیث کے غیر محتاط اشاعت کے لئے بڑی بھاری روک تھے۔

یہی حال جناب عمر و علی رضی اللہ عنہما کا تھا۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عمر جب سر پر آرائے خلافت ہوئے۔ تو فرمایا کہ حدیثیں بہت کم بیان کیا کرو۔ ہاں ان حدیثوں کے لئے مضائقہ نہیں۔ جو احکامی ہیں، قال ابوھریرۃ لما ولی عمرؓ قال اقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا فیما یعمل بہا (مصنف عبد الرزاق)

روایت حدیث میں چونکہ نہایت حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس میں کسی قسم کی لغزش ہو۔ تو بیان کرنے والوں پر عذاب الیم اور سُننے والوں پر گمراہی کا پورا گمان ہے۔ اِس لئے حضرت عمر نے یہ تخویف مستدید کی۔ اور شدت کے ساتھ لوگوں کو اس کثرت سے روکا۔ چنانچہ اِسی سلسلہ کا ایک اور

ابن ابی لیلی ادرکت فی هذا المسجد عشرین ومائة من الانصار وما منهم من یحدث بحدیث الا ود ان اخاه کفاه" (دارمی) اسی طرح اور بہتیرے صحابہ ہیں۔ جو حدیث کی روائت سے بہت ڈرا کرتے، یہی اثر منجر ہو کر تابعین میں پہونچا تھا۔ اور اجل تابعین روائت حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔

شعبی فرماتے ہیں۔ کہ اگلے صالحین (صحابہ) زیادہ روائت کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور واقعی مجھے اگر روائت کی خرابیوں کا حال پہلے معلوم ہوتا۔ تو میں کبھی روائت نہ کرتا۔ ہاں وہ حدیثیں جو باتفاق محدثین قابل روائت ہیں۔ اُن کی روائت کرتا۔

قال الشعبی کره الصالحون الاولون الاکثار من الحدیث ولو استقبلت من امری ما استدبرت ما حدثت الا ما اجمع اهل الحدیث

اور یہی شعبی ایک دُوسری جگہ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ میرے لئے فتویٰ دینا حدیث بیان کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ قال الشعبی علی من دون النبی صلی اللہ علیہ وسلم احب الینا فان کان فیه زیادة ونقصان کان علی من دون النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اسی طرح ابراہیم نخعی جو بقول شاہ ولی اللہ اہل الکوفہ کی زبان ہیں۔ فرماتے ہیں۔ کہ قال عبد اللہ قال علقمہ احب الینا نیز شعبہ جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ جن کو حضرت انس ابن مالک صحابی کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ اور جنہوں نے چار سو تابعین سے حدیثیں روائت کی ہیں۔ اور جن کو فن رجال کی سنگ بنیاد رکھنے کا بھی شرف ہے جب انہیں حدیث کی کثرت روائت کے مقاصد سے سابقہ پڑا۔ تو نہائت افسوس سے فرمایا وددت انی وقاد الحمام ولم اعرف الحدیث" (تذکرۃ الحفاظ) یعنی میرے لئے کسی حمام کا ایندھن بنکر جل جانا اس حدیث دانی سے بہتر تھا۔ یہ چند مثالیں اس لئے دی گئیں۔ کہ ان کے ذریعہ آپ مرفوع حدیث کی دشواریوں کو غور کیجئے۔ اور ان آئمہ کرام کے لئے صدق دل

کا واقعہ عمار ابن یاسر کا واقعہ یہ سب اسکی کھلی ہوئی شہادتیں ہیں۔ حضرت عثمان نے بھی اس میں احتیاط برتی۔ چنانچہ ذیل کے واقعہ سے حضرت عثمان کی احتیاط کا پتہ معلوم ہوگا۔ قال حاطب ما رایت من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان حدث اتم حدیثا ولا احسن من عثمان الا انہ رجل یھاب الحدیث یعنی حاطب کہتے ہیں۔ میں نے عثمانؓ سے زیادہ کسی کو صحیح طور پر حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا۔ لیکن پھر بھی وہ حدیث بیان کرتے ڈرتے تھے۔ وان ناسا یتحدثون عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عثمان لا ادری ما ھی (مسلم

ترجمہ حضرت عثمان کے سامنے لوگوں نے رسول اللہ سے حدیثیں بیان کیں۔ لیکن آپ نے انہیں صحیح تسلیم نہیں کیا۔

جناب امیر علیہ السلام نے بھی خود کثرت روائت کے باوجود حدیث کی علانیہ اشاعت سے بہت روکا، آپ فرماتے ہیں۔ جو کچھ میں نے بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جیسا نفع چاہا۔ پہونچایا۔ لیکن اگر دوسرے کی زبان سے کوئی حدیث سُنتا ہوں۔ تو بغیر قسم کھلائے چین نہیں ملتا۔ ہاں ابوبکر صدیق نے مجھ سے حدیثیں بیان کیں۔ اور وہ سچے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی کی تخصیص نہیں کی۔ بلکہ ہر وہ شخص جو انہیں غیر معتبر معلوم ہوتا اس سے قسم کھلاتے۔

زید ابن ارقم صحابی سے لوگوں نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں کیوں روائت نہیں کرتے۔ فرمایا میں بوڑھا ہوا اور بھولنے لگا۔ اور روائت کا معاملہ سخت ہے۔ قیل لزید ابن ارقم الا تحدث لنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً۔ قال قد کبرنا و نسینا والروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید (شرح نووی)

عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں۔ میں نے اس مسجد (یعنی مسجد کوفہ) میں ایک سو بیس انصاری صحابی ایسے دیکھے۔ جنہیں روائت حدیث سے خوف آتا تھا اور ان میں ہر ایک کی خواہش یہی تھی۔ کہ دُوسرا بیان کرے قال عبد الرحمٰن

میں ظاہر کر دے۔ اِن درمیانی واسطوں (راویوں کو) محدثین اپنی اصطلاح میں سند اور جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب کو رفع کہتے ہیں

سوم :۔ راوی بعینہٖ اُنہیں الفاظ کو روائیت کرے۔ جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے گئے۔ یا اپنے شیخ سے سُنے تھے۔ اور اگر وہ الفاظ بعینہٖ یاد نہ ہوں۔ تو کم از کم وہ معانی جو اُن سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہی بلا کم و کاست روائیت کرے۔

دُوسرا طریقہ

یہ ہے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے صحابی نے جو حکم یا مسئلہ سمجھا۔ وہ اپنے شاگردوں سے بیان کرے یا جس نے صحابی سے اس مسئلہ کو سنا۔ اُس نے اپنے شاگردوں سے بیان کردیا۔ اور ان دونوں صورتوں میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کسی کی طرف انتساب نہیں کیا یا اگر زیادہ احتیاط کی۔ تو صرف اس صحابی کا نام بتادیا۔ جس سے یہ سنا تھا۔ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

ان تلقی الامۃ منہ صلی اللہ علیہ وسلم الشرع علی وجہین احدھما تلقی الظاھر ولا بد منہ ان ینقل، و ثانیھما التلقی دلالۃ وھی ان رای الصحابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول او یفعل فاستنبطوا من ذالک حکما فاخبروا بذالک الحکم

یعنی امت کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے شریعت پہنچنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کے صحابی نے جو بات سنی یا جو فعل دیکھا۔ بعینہٖ اسی طرح نقل کر دیا دوسرے یہ کہ آپ کے فعل قول سے جو حکم ثابت ہُوا۔ اس کو بیان کیا۔

روائیت کے یہ دو طریقے جو آپ کے سامنے پیش کئے گئے۔ ان دونوں طریقوں پر احکامی حدیثوں کی روائتیں کی گئیں۔ اور صحابہ کی جماعت نے یہ دونوں سلسلہ

ازدیاد برکت کی دعا کیجئے۔ جنہوں نے روائیت حدیث کے اس طریقہ کو عام طور پر شائع نہ ہونے دیا۔ لیکن بہت ممکن ہے۔ کہ آپ نے اوپر کی ان مثالوں سے یہ سمجھا ہو۔ کہ فقیہہ و عالم صحابہ نے حدیث کی روائیت میں اس قدر سختیاں کیوں کیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تو اسی لائق تھیں۔ کہ انہیں عام طور پر بیان کیا جاتا۔ کہ اس میں امت کی دونو جہان کی کامیابی پنہاں تھی۔ اس چیز کی واقفیت کے لئے ذیل کی چند سطریں پیش کرتا ہوں۔ جو بصیرت کے لئے کافی ہونگے۔

حدیث کی دو قسمیں ہیں۔ احکامی، وغیر احکامی،

پہلی قسم کی حدیثوں۔ کی روائیت تو خلفاء راشدین نے خود بھی کی اور دوسرے صحابہ کو بھی اجازت دی۔ کیونکہ احکام پر جب دین کا دارومدار تھا۔ تو ان کا روائت کرنا بہت ضروری تھا۔ اور کوئی صحابی بھی ان کی روائت سے رکنے کا مجاز نہ تھا لیکن دوسری قسم کی احادیث سے فقہاء صحابہ اور خلفاء راشدین خود بھی محترز رہے اور دوسروں کو بھی پوری طرح اس سے محترز رکھا، لیکن احکامی حدیثوں کی روائیت کے بھی دو طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ

کسی حدیث کو بسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کرنا، اس طریقہ میں چند خصوصیتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

اول:۔ یہ کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بصراحت اس روائیت میں انتساب کیا جائے۔ اور آپ کا اسم گرامی لینے کی برکت حاصل کی جائے یعنی وہ صاف کہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم او فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

دوم:۔ راوی نے اگر جناب رسالت مآب سے براہ راست یہ حدیث نہیں سنی یا وہ فعل کرتے نہیں دیکھا۔ تو اسے چاہیئے۔ کہ درمیانی واسطوں کو روائت

موافق بیان کرنا چاہیں۔ تو نہیں بیان کر سکتے۔ اِس طرح امام محمد ابن علی والد امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ میں بجز عبداللہ ابن عمر کے اور کوئی نہ تھا۔ جو بعینہٖ وہی الفاظ حدیث بیان کرتا۔ جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں۔ لم یکن احد من الصحابۃ اذ سمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثاً اجدر لا یزید فیہ ولا ینقص منہ ولا ولا من ابن عمر (طبقات ابن سعد جلد ۴ ۱۳۱ و جلد ۴ ص۱۰۶)

اب ظاہر ہے۔ کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ لفظ کی تبدیلی سے معنی کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اور حدیث کا مفہوم کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ جب اس کا احتمال ہے۔ تو حدیث وعید کے صادق آنے کا بھی احتمال ہے۔ اور بہت ممکن ہے۔ کہ ایک دیندار آدمی صرف اس جرم میں اللہ تعالیٰ کے عتاب میں داخل ہو جائے۔ کہ اُس نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتہام لگایا۔ اور آپ کی طرف ایسی بات منسوب کی جسے آپ نے نہ کیا اور نہ کہا تھا۔ یہی دشواریاں تھیں۔ جنہوں نے فقیہہ صحابہ کو اس طریقہ روائت سے باز رکھا۔ تم نے پچھلے صفحات میں حضرت عمر فاروق اور دوسرے صحابہ کے متعلق جہاں یہ پڑھا ہے۔ کہ وہ روائت حدیث بہت کم کیا کرتے۔ اس کے معنی یہی ہیں۔ کہ اس خاص طریقہ سے روائت کم کرتے۔ اور دوسروں کو بھی اس سے روکتے اور جناب ابوبکر صدیق کے متعلق بھی جو روائت حدیث کی ممانعت پڑھی ہے۔ اس کے بھی یہی معنی ہیں۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں اِسی طریقہ پر لوگوں نے روائت حدیث کو رواج دینا شروع کر دیا تھا۔ اور روائت حدیث کے معنی یہی لئے جاتے تھے۔ کہ راوی سند کیساتھ کسی قول یا فعل کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچائے۔ فتاویٰ اور احکام کی صورتیں ظاہری الفاظ میں حدیث کے ساتھ تعبیر نہیں کی جاتی تھیں لیکن ان فقہا صحابہ کے نزدیک حدیث کے بیان کا اصلی طریقہ یہی تھا۔ اور وہ اسی طریقہ پر لوگوں سے روائت حدیث کے خواہاں تھے۔ اور اگر انہوں نے حدثنا و اخبرنا کے ذریعہ کچھ روائتیں کی ہیں۔ تو وہ ان کے نزدیک بعینہٖ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ تھے۔ لیکن اِس سلسلہ میں جو چیز سب سے زیادہ لائق توجہ ہے

روایت قایم رکھا۔ لیکن فقیہہ صحابہ اور محدثین نے احکامی حدیثوں کے بیان میں بھی وہی دوسرا طریقہ جائز رکھا۔ اور خود بھی جتنی حدیثیں بیان کیں۔ سب فتاوی یا اقوال کی صورتوں میں بیان کیں۔ الاماشاءاللہ اور حضرت ابوبکر و عمر رض کی یہ شدتیں صرف اسی طریق روایت کے لئے تھیں۔ یا ان حدیثوں کے بیان کے لیے جن کو احکام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ اس کثرت کی وجہ سے مسلمان قرآن کی طرف سے غافل ہو کر صرف حدیث رسول اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ جو بعد میں عملی صورت میں ظاہر بھی ہو گیا۔ پھر اُن کا حال بھی دوسرے اہل کتاب کی طرح ہو جاتا۔ جنہوں نے اللہ کی کتاب چھوڑ کر اپنے علماء و قسیسین کی کتابیں اپنا دستور العمل بنا لی تھیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ جناب عمر فاروق نے حدیث کی تدوین کا ارادہ کر کے اُسے ترک کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ پہلے طریقے سے روایت میں مقصود۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل کی بعینہٖ بلا تغیر حکایت و نقل ہے۔ اس لئے اس کے راوی کا فرض ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے جو الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ بعینہٖ اُنہیں کو یاد رکھے۔ اور اُنہیں کی روایت کرے نہ یہ کہ راوی نے اپنی فہم و فراست سے جو سمجھے تھے۔ ان کی روایت اپنے الفاظ میں کر دے۔ لیکن اس طریقہ پر روایت کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بعینہٖ یاد رہیں۔ نہایت دشوار اور تقریباً ناممکن ہے۔ الاماشاءاللہ اور کمال یہ ہے۔ اس حدثنا اور عنعنہ کی روایت کرنے والے تمام محدثین کا اقرار ہے۔ کہ ہم میں کا کوئی بعینہٖ ان الفاظ کے ساتھ روایت نہیں کرتا۔ جو رسول اللہ سے یا اپنے شیخ سے سُنے ہوتے۔ ابن سیرین فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک ہی حدیث کو دس شیوخ سے سُنا۔ لیکن ہر ایک کے الفاظ مختلف تھے۔ اور معنی ایک عن ابن سیرین قال کنت اسمع الحدیث من عشرۃ کلھم یختلف فی اللفظ والمعنی واحد (مصنف عبدالرزاق)

اسی طرح سفیان کا قول ہے۔ لو اردنا ان نحدثکم الحدیث کما سمعنا ما حدثناکم بحدیث واحد، یعنی ہم اگر ایک حدیث کو بھی اپنی سُنی ہوئی کے

ایقان رکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق جو روایت کے اپنے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع کیا۔ اور پھر جلا دیا۔ یا حضرت عمر کا بعض بدری صحابیوں کو حدیث بیان کرنے کے جرم میں قید کر دینا یہ سب واقعات نقد کی کسوٹی پر کھرے نہیں۔ کھوٹے ہیں۔ یہ اور اسی قسم کے دیگر واقعات سے اگر وہ صحیح بھی مان لئے جائیں۔ تو زیادہ سے زیادہ قلت روایت اور احتیاط کا پتہ لگتا ہے۔ انکار کا نہیں لیکن کج فہم انسان اپنی سمجھ کو کیا کرے۔ کہ اسے دن رات اور رات دن دکھائی دیتی، انتہائی تتبع و تلاش کے بعد مجھے مہاجرین و انصار تو کیا کم درجہ کے صحابہ کا بھی کوئی ایسا قول نہ ملا جس سے نفس روایت حدیث کا انکار ثابت ہوتا ہو۔ ہاں ایسے اقوال ضرور ہیں۔ جنسے قلت روایت اور احتیاط کا پتہ ملتا ہے۔ میں نے آپ کے سامنے جتنے صحابہ کے نام گنائے ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی اگر کسی حدیث کا انکار ہے۔ تو اس لئے نہیں۔ کہ فی نفسہ حدیث کوئی لائق اخذ چیز نہیں تھی۔ بلکہ اس لئے کہ یا تو وہ حدیث ان کے نزدیک قرائن قویہ سے صحیح نہیں ثابت ہوئی۔ یا کم از کم یقینی طور پر وہ اس کے حدیث ہونے کا فیصلہ نہ کر سکے۔ چونکہ حدیث کا معاملہ نہایت نازک تھا۔ اور صحابہ یہ چاہتے تھے۔ کہ جو حدیث بھی بیان کی جائے۔ وہ پوری تحقیق و تدقیق سے بیان کی جائے۔ اس لئے انہیں ایسا کرنا ضروری تھا۔ اگر یہ صورت نہ قائم کی جاتی۔ تو ہر بوالہوس اور بددین اپنی بدعادت و سیئات کی تصدیق فوراً ایک جھوٹی حدیث بنا کر کر دیتا۔ ایسی صورت میں آپ سمجھ سکتے ہیں۔ دین کے اندر کیسا عظیم اختلال رونما ہوتا اور مذہب کس طرح بازیچہ طفلاں بن کر رہ جاتا۔ چنانچہ بعد میں ایسا بہت ہوا۔ کہ لوگوں نے دینی و دنیاوی مصالح کی خاطر بہت سی حدیثیں گڑھ لیں۔ مگر اللہ رب العزت کا لاکھ شکر ہے۔ کہ اس نے ان کے مقابل میں ایسے لوگ بھی پیدا کئے جنہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کر دکھایا۔ اور آج امت کے ہاتھوں میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے۔ جس کے موضوع ہونے کے باوجود اس کی موضوعیت کا انہیں علم نہ ہو۔

ہے۔ وہ یہ کہ منکرین حدیث کا گروہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مٹانا چاہتا ہے وہ خلفاء راشدین اور بعض دیگر صحابہ کی اِس قلت روائت واحتیاط کے غلط معنی بیان کرتا ہے اور حدیث کے انکار میں ان کے اقوال سے دلیل لانا چاہتا ہے۔ رجال وطبقات کی کتابوں میں صحابہ کرام کے متعلق ایسے واقعات بھی لکھے ہیں۔ جن سے بظاہر ان واہی شبہوں کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن زیرک وعقلمند کے لیئے ان کا سمجھنا کوئی دشوار نہیں۔ اولا تو اس قسم کی اکثر روائتیں ضعیف وموضوع ہیں۔ دوسرے اگر یہ صحیح بھی مان لی جائیں۔ تو ان سے انکار حدیث کہیں بھی لازم نہیں آتا۔ بلکہ احتیاط فی الروایت کی تائید ہوتی ہے۔ اوپر کے بیان میں جہاں میں نے خلفاء راشدین ودیگر صحابہ کے اقوال لکھے ہیں۔ وہاں کہیں بھی انکار حدیث کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ حضرت عمر نے صاف لفظوں میں اقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق کے خطبہ سے بھی انکار حدیث ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ تم لوگ بلا خوف واحتیاط ہر قسم کی روائتیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کرو۔ اور کوئی بے سند بات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ منسوب کرو۔ نہ یہ کہ حضرت کی کوئی صحیح حدیث بھی تمہیں معلوم ہو تو اس کو بھی نہ بیان کرو۔ یہ ہیں اس کے اصل معنی اس کے علاوہ اور کوئی معنی لینا اپنی عقل وعبریت دونوں کا خون کرنا ہے۔ منکرین حدیث کا سب سے بڑا ماخذ تذکرہ الحفاظ ذہبی۔ اور مسند دارمی ہیں۔ ذہبی نے اپنی کتاب میں بعض صحابہ کے ایسے واقعات واقوال نقل کیئے ہیں۔ جن سے ان کے شبہات قوی ہوتے ہیں لیکن ان کی صحت اسی طرح غیر یقینی ہے، جس طرح رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات یقینی ہے۔ ان لوگوں کی مثال اس ڈوبنے والے کی ہے جو دریا کی سطح پر بہتے ہوئے تنکے کو بھی شہتیر سمجھ کر تھام لیتا ہے۔ اور اسے اپنی نجات کا آخری ذریعہ سمجھتا ہے۔ اور ذہبی نے خود بعض واقعات بیان کرنے کے بعد ان کی صحت سے انکار کیا ہے۔ لیکن یہ منکرین اس کی صداقت پر پورا

تلاش کرو۔ اگر تلاش بلیغ کے بعد تمہیں وہ مسئلہ حدیث میں بھی نہ ملے۔ جب کوئی تیسری راہ نکالو۔ اگر وہ مسئلہ حدیث میں مل گیا۔ تو تمہارے لئے اولیٰ یہ ہے۔ کہ اسے مرفوعاً روایت کرنے کی بجائے صرف فتویٰ کی صورت میں بیان کردو۔ ہاں تم یہ نہ کرو۔ کہ اس ایک ہی حدیث پر بہت سے مسائل قیاس کرنے لگو۔ اور حمل النظیر علی النظیر کی صورتیں پیدا کردو۔ اور یہ صورت بھی اس وقت جائز ہوگی۔ جب کسی مسئلہ کے متعلق بتلاش تمام تمہیں کوئی حدیث نہ ملے۔ الغرض صحابہ کرام کے مختلف گروہ نے مختلف حدیثوں سے روائتیں کیں۔ کسی نے مرفوع، کسی کے مرسل اور کسی نے احکام اور فتاوی کی صورت میں اس لحاظ سے محدثین نے صحابہ کے مختلف طبقات قائم کئے ہیں۔ ایک فہرست تو مکثرین صحابہ کی ہے۔ دوسری متوسطین کی تیسری مقلین کی۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں۔

"صحابہ رضی اللہ عنہم باعتبار کثرت و قلت روائیت حدیث بر چہار طبقہ اند۔ مکثرین کہ از مرویات ایشاں ہزار حدیث باشد۔ فصاعداً و متوسطین کہ مرویات ایشاں قریب پانصد حدیث بضاعداً باشد۔ مثل ابو موسیٰ و براء ابن عازب و جمع کہ مرویات ایشاں چہل حدیث باشد۔ فصاعداً تا سہ صد و چہار صد و مقلین کہ مرویات ایشاں تا چہل نمے رسد۔ جمہور اہلحدیث گفتہ اند۔ کہ مکثرین از صحابہ شش کس اند۔ ابو ہریرہ و عائشہ صدیقہ و عبداللہ ابن عمر و عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمرو ابن العاص و انس و جابر و ابو سعید خدری، و از متوسطین عمر ابن الخطاب، و علی ابن ابی طالب، و عبداللہ ابن مسعود، و ابو موسیٰ اشعری و براء ابن عازب، و امثال ایشاں را شمردہ اند کہ از ہر یکے زیادہ از پانصد و کمتر از ہزار در دست مردم موجود است۔ و ایں فقیر دریں مقدمہ بحثے دارد و آں آنست کہ در حدیث فاروق اعظم و علی مرتضیٰ و عبداللہ ابن مسعود بسیار یافتہ میشود۔ آنچہ موقوف است ظاہر او مرفوع است۔ حقیقتاً ازیں عزیزاں نقل بسیارے در باب فقہ و در باب احسان و در باب حکمت یافتہ کہ بوجوہ بسیارے مرفوع است۔ پس ایں عزیزاں از

روایتِ حدیث کے لحاظ سے صحابہ کے طبقات

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ کہ حدیثیں دو قسم کی ہیں۔ ایک احکامی، اور دوسری غیر احکامی اور احکامی حدیثوں کی روایت کے بھی دو طریقے ہیں۔ فقہاء صحابہ کا گروہ غیر احکامی حدیثیں شاذ و نادر بیان کرتا تھا۔ اور احکامی کی روایت بھی فتاوی و احکام کی صورت میں کرتا تھا۔ الا ماشاء اللہ لیکن خلفاء راشدین کے دور میں اور ان کے بعد بھی بعض صحابہ ایسے تھے۔ جو احکامی اور غیر احکامی حدیثیں مرفوعاً روایت کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا۔ کہ کسی مسئلہ کے اندر اپنی رائے یا اپنے اجتہاد کو دخل نہ دینا چاہیے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح سنا ہے۔ یا کرتے دیکھا ہے۔ بعینہ اسی طرح اس واقعہ کی روایت کر دی جائے۔ اور رائے اور استنباط مسائل سے وہ بہت ڈرا کرتے تھے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابہ کے ذریعہ جنہوں نے فتاویٰ اور احکام کی صورت میں یا حدثنا و اخبرنا کی صورت میں مسائل بتائے۔ دونوں اپنے اپنے خیال میں سچے اور مخلص تھے۔ دین کے احکام ہم تک پہنچائے، لیکن یہ ظاہر ہے۔ کہ وہ صحابہ جنہوں نے فتویٰ اور احکام کی صورت میں حدیثیں بیان کیں۔ وہ محتاط تھے۔ کیونکہ رائے اور قیاس بھی نہ تھا۔ اور حدیث کے مرفوعاً بیان کرنے میں وعید کا جو ڈر تھا وہ بھی نہ تھا، تم جہاں کہیں سلف کے مذاہب میں رائے اور خوض کو منع پاؤ گے۔ اس کے معنی یہی ہیں۔ کہ ایک حدیث ہے۔ اس سے طرح طرح کے بعید القرآن مسائل نکالے جائیں۔ اور اس کو پوری شریعت سمجھ لیا جاوے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ہر مسئلہ کے متعلق کتاب اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اگر اس میں نہ پاؤ، حدیث میں

فتاویٰ کی صورت میں بیان کرتا تھا۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی اصابہ میں لکھتے ہیں:-

اکثر الصحابۃ فتوی مطلقا سبعۃ عمر، وعلی، وابن مسعود، وابن عمر وابن عباس وزید ابن ثابت وعائشۃ. قال ابن حزم یمکن ان یجمع من فتیا کل واحد من ھؤلاء مجلد ضخم، قال ویلیھم عشرون وھم ابو بکر و عثمان، وابو موسیٰ، ومعاذ وسعد ابن ابی وقاص، وابو ھریرۃ وانس وعبد اللہ بن عمرو ابن العاص، وسلمان وجابر وابو سعید وطلحۃ والزبیر وعبد الرحمٰن بن عوف وعمران بن حصین وابو بکرۃ وعبادۃ بن الصامت ومعاویۃ وابن الزبیر وام سلمۃ قال یمکن ان یجمع من فتیا کل واحد منھم جزء صغیر قال وفی الصحابۃ نحو من مائۃ وعشرین نفسا مقلون فی الفتیا جدا لا یروی عن الواحد منھم الا المسئلۃ او المسئلتان او الثلاث یمکن ان یجمع من فتیا جمیعھم جزء لطیف بعد البحث کابی ابن کعب وابی الدرداء وابی طلحۃ والمقداد وغیرھم وسرد الباقین،

اور انہیں کے لگ بھگ بیس آدمی ابو بکر، عثمان، ابو موسیٰ، معاذ، سعد بن ابی وقاص، ابو ہریرہ، انس، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، سلیمان، جابر، ابو سعید، طلحہ، زبیر، عبد الرحمٰن بن عوف، عمران بن حصین، ابو بکرہ، عبادۃ بن الصامت، معاویہ، ابن الزبیر، ام سلمہ، رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کے فتاوی ایک چھوٹے رسالے کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ اور صحابہ میں ایک سو بیس حضرات ایسے ہیں۔ جن کے فتاوی بہت اقل قلیل ہیں، کہ ان سب کے فتاوی کا مجموعہ ایک بہت مختصر جزو میں آ سکتا ہے۔ جیسے ابو الدرداء ابی بن کعب، ابو طلحہ، مقداد وغیرہم جن کے نام انہوں نے بتائے۔ ان کے فتاوی بہت ہی کم ہیں، یعنی صحابہ میں سات آدمی کے فتاویٰ بہت ہیں۔ عمر، علی، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس زید ابن ثابت عائشہ رضی اللہ عنہم ابن حزم کا خیال ہے۔ اگر ان میں سے

مکثرین باشند و شواہد این مقدمہ بسیار است۔ و متفطن بسبب را گنجائش است۔ کہ آنچہ در فقہ و احسان ذکر کردہ اند بر احادیث مرفوعہ مثبتہ در اصول عرض کند و بشناسد کہ کدام کدام حدیث مرفوع است انتہی ملخصاً (ازالۃ الخفا صفحہ ۲۱۲ مقصد ۲) شاہ صاحب کے اس بیان سے اپنے صحابہ کے طبقات کا پتہ لگا لیا ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ حضرت عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے متوسلین میں شمار کئے جانے سے شاہ صاحب کو کیوں انکار ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے۔ کہ مکثرین صحابہ سے جتنی حدیثیں مروی ہیں۔ اسی کثرت سے ان متوسلین سے بھی مروی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ انہوں نے پہلے طریقہ روائیت سے بیان کیا۔ یعنی مرفوعاً اور ان سے تھوڑی مرفوعاً اور زیادہ فتاوی اور احکام کی صورت میں یعنی دوسرے طریقہ روائیت سے اور اس کی پہچان کا طریقہ یہی ہے۔ کہ ان مسائل و احکام کو احادیث صحیحہ سے موازنہ کیا جائے۔ جو کتب صحیحہ میں ہیں۔ اس کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ وہ کتنی احادیث صحیحہ کے موافق ہیں۔ اور کتنی نہیں۔ اور پھر اسی اسی کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہ صحابہ مقلین میں ہیں۔ یا مکثرین میں۔ لیکن یہ چیز بذات خود اپنی جگہ پر اتنی واضح نہ تھی۔ کہ تمام لوگ اسے سمجھ لیتے۔ اس لئے شاہ صاحب نے آگے چل کر اسے اور صاف کر دیا۔ اس ازالۃ الخفا میں ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں۔

قصہ کوتاہ حدیث بسیار از مرویات امیر المومنین عمر بن الخطاب و علی ابن ابی طالب و عبد اللہ ابن مسعود درمیان دفاتر ہست۔ کہ پئے بانتساب اینہا بایں عزیز ان غیر متفطن بسبب نمی تواند برد۔

الغرض فاروق اعظم اور علی مرتضیٰ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روائیت کردہ حدیثیں دفتروں میں ہیں۔ لیکن انہیں بصیرت والا انسان ہی سمجھ سکتا ہے۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ دفاتر احناف کے پاس ہیں۔ یعنی فقہ حنفی۔

اور یہ تو پہلے معلوم ہو ہی چکا ہے۔ کہ صحابہ کا فقیہہ گروہ حدیثیں زیادہ تر

تھا۔ امام صاحب نے اس چیز میں خلفاء راشدین اور اپنے شہر کے صحابہ کا اتباع کیا تھا کیونکہ انہوں نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کا یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ اب کسی کا یہ کہنا کہ امام نے حدیثیں بہت کم حاصل کی تھیں۔ اور وہ قلیل الحدیث تھے۔ کس قدر غلط ہے۔ امام صاحب نے روایت حدیث کے دُوسرے طریقے کو دو وجہوں سے اختیار کیا۔ ایک تو یہ کہ پہلے طریقہ روایت میں جو نقصانات و خرابیاں تھیں۔ وہ اُن کے پیش نظر تھیں۔ اور جن کی وجہ سے جناب صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اس طریقہ روایت کو روکا تھا، دُوسرے یہ کہ امام صاحب کے اساتذہ اور ان کے شہر کے شیوخ کا طریقہ روایت بھی یہی دُوسرا طریقہ تھا۔ الا ماشاء اللہ اس چیز کو اگر واضح طریقہ پر سمجھنا چاہو۔ تو شاہ صاحب کے الفاظ میں یوں کہوں۔ قصہ کوتاہ حدیث بسیار از مرویات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ درمیان وفاتر ہست۔ کہ بیجے بانتساب آنہا بایں امام المحدثین غیر منتقل بسبب نے تواندید،

ہرایک کے فتاویٰ جمع کئے جائیں۔ تو ہرایک کی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں، واضح رہے کہ ان صحابہ میں ابن عباس ابن عمر عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا شمار یوں بھی مکثرین میں ہے۔ لیکن فتویٰ کی حیثیت میں بھی ان کی بہت سی بیان کردہ حدیثیں ہیں۔ جو روایت حدیث کا ایک دوسرا طریقہ ہے۔ اور روایت حدیث کی یہی نوعیتیں صحابہ سے منجر ہو کر تابعین تک پہونچیں۔ اور تابعین کے بھی روایت حدیث میں مختلف انداز رہے۔ چنانچہ کوفہ جو حضرت عمر کے وقت سے لیکر امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کے دور تک بے شمار صحابہ و تابعین کی سکونت گاہ رہا۔ وہاں کے فقیہ و محدث تابعین نے صحابہ کرام ہی کی طرح فتاویٰ و احکام کی صورتوں میں حدیثیں زیادہ روایت کیں۔ شعبی، ابراہیم، قاضی شریح، علقمہ، وغیرہ کی مرفوع حدیثیں اگرچہ تمہیں بخاری مسلم بلکہ پوری صحاح میں بہت ملیں گی۔ لیکن پھر بھی ان کے فتاوی و احکام کے لحاظ سے بہت تھوڑی ہیں۔ اور اس کا پتہ لگانا ہو۔ تو بخاری و مسلم سے قبل تصنیف شدہ کتابوں میں اس کی تلاش کرو مصنف عبدالرزاق ابن ابی شیبہ موطا امام محمد کتاب الآثار وغیرہ میں تمہیں زیادہ تر ان کے آثار ہی ملیں گے۔ مرفوع حدیثیں بہت کم ہوں گی۔ اور زیادہ دور کیوں جاؤ خود بخاری ہی کے اندر فقہاء کوفہ کے بہتیرے فتاوی و مسائل مستخرجہ ملیں گے۔ جن میں ابراہیم بہت نمایاں ہونگے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ صحابہ کی طرح تابعین کی جماعت بھی زیادہ تر فتاوے ہی دیا کرتی۔ مرفوعاً حدیث کم بیان کرتی یہی طریقہ تھا۔ سراج الامۃ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ کا کیونکہ وہ براہ راست اس نور سے مستفید ہو رہے تھے۔ جو صحابہ اور تابعین کے سینوں سے نکل کر ان میں منتقل ہوا تھا۔ اور انہوں نے بھی حدثنا و اخبرنا کیسا تھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں بیان کرنے سے بہت حد تک پرہیز کیا۔ ورنہ اگر فتاوی و احکام کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو امام صاحب کی حدیثیں اس کثرت سے ملینگی۔ کہ دوسرے مکثرین حدیث کی حدیثوں سے کسی طرح کم نہ ہونگی۔ اور اس چیز میں امام اعظم نے ان فقیہ و فہیم صحابہ کا اتباع کیا۔ جن کی وجہ سے اسلام اپنی صحیح اور اصلی حالت پر باقی رہا۔ جن کا وجود دین و ملت کے لئے سراپا رحمت اور مجسم کمال

پوچھنے والوں پر لعنت کرتے تھے۔ قاسم کہتے ہیں۔ تم ایسی باتیں پوچھنے لگے۔ کہ ہم انہیں آنحضرت سے نہیں پوچھا کرتے تھے۔ اور تم ایسی باتوں میں تفتیش کرنے لگے۔ جن میں ہم نہیں کیا کرتے تھے۔ تم ایسی باتیں پوچھتے ہو۔ جنہیں ہم نہیں جانتے۔ اگر جانتے۔ تو ہمارے لئے اُن کا چھپانا حلال کب تھا۔ عمر بن اسحاق فرماتے ہیں۔ میں نے جن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ اُن سے زیادہ پاک سیرت اور کم شدت والا کسی کو نہیں پایا، عبادہ ابن سیرۃ الکندی فرماتے ہیں۔ جب اُن سے ایک ایسی عورت کی بابت سوال کیا گیا۔ جو اپنی قوم میں مری۔ اور اُس کا کوئی ولی نہیں ہے آپ نے فرمایا، میں نے ایسی قوم دیکھی۔ جو تمہارے مثل مسائل میں اس قدر تشدید نہ کرتی تھی۔ اور نہ ایسے سوال کیا کرتی تھی۔ (اخرج ہذہ الآثار کلہا الدارمی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ کہ جب کوئی سوال کرتا۔ تو آپ اُس کا جواب دیتے، کوئی مسئلہ پوچھتا بتا دیتے۔ کوئی فیصلے کراتا۔ فیصلے کر دیتے۔ کسی شخص کو اچھا کام کرتے دیکھتے۔ تعریف فرماتے۔ کسی کو بُرا کرتے دیکھتے منع فرماتے۔ اور اس قسم کی اکثر باتیں مجمع عام میں ہوا کرتیں۔ تاکہ سب لوگ اِس سے واقف ہو جائیں۔ اسی طرح حضرت ابوبکر و عمر جب انہیں کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا۔ تو وہ کتاب اللہ کے بعد حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے۔ اور لوگوں سے پوچھتے، جیسا کہ حضرت ابوبکر نے دادی کے ترکہ کے بارہ میں (اپنے عدم علم کی وجہ سے) صحابہ سے سوال کیا، مغیرہ ابن شعبہ نے حدیث بیان کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو سدس دیا ہے، اور محمد بن مسلمہ نے اس کی گواہی دی۔ تو آپ نے قبول فرمایا اور سدس دیا حضرت عمر کا غرہ کے معاملہ میں لوگوں سے سوال کرنا۔ پھر مغیرہ ابن شعبہ کی بات تسلیم کرنا اسی طرح وباء (طاعون) اور قصہ مجوس کے بارے میں عبدالرحمن بن عوف کی طرف رجوع کرنا اور حضرت ابوموسیٰ کا حضرت عمر کے دروازے سے واپس آنا۔ اور حضرت عمر کو ابوسعید کی شہادت سے اِس حدیث خاص کا علم ہونا؛ حضرت عبداللہ

فروع میں صحابہ اور تابعینؒ کے اختلاف کے اسباب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں فقہ کی تدوین نہیں ہوئی
تھی۔ اور نہ اس قسم کی فقہی بحثیں جن میں کسی چیز کے ارکان و شروط و اداب بیان کئے
جائیں۔ اور پھر انہیں دوسری قسموں سے ممتاز کیا جائے۔ موجود تھیں۔ اور ایک صورت
مسئلہ قایم کرکے اس پر پوری بحث کی جائے۔ اور اس کے حدود متعین کئے جائیں۔
یہ کچھ نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے۔ اور صحابہ اس کو دیکھتے رہتے۔
پھر وہ بھی ٹھیک اسی طرح وضوء کرتے بغیر یہ جانے ہوئے کہ اس میں یہ رکن ہے۔ اور
یہ ادب ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں پڑھتے۔ اور صحابہ آپ کے
نماز کی تقلید کرتے، آپ حج فرماتے۔ اور صحابہ بغور آپ کے افعال حج کا معائنہ کرتے
پھر اسی طرح حج کرتے۔ رمضان شریف میں روزے رکھتے۔ صحابہ بھی حج کرتے۔ روزے
رکھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک تو اسی طرح گذرا۔ شاید ہی کوئی ایسا اہم
معاملہ ہوا ہو۔ جس میں آپ کو یا صحابہ کو اس قسم کے تفصیلی سوالوں کا موقع ملا ہو۔ حضرت
ابن عباس فرماتے ہیں " میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بہتر قوم نہیں
دیکھی۔ انہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرہ مسئلے ہی پوچھے تھے۔ کہ آپ اس عالم
سے تشریف لے گئے۔ اور وہ سب مسئلے قرآن میں موجود ہیں۔ جن میں سے یسئلونک
عن الشھر الحرام قتال فیہ۔ قل قتال فیہ کبیر۔ و یسئلونک عن المحیض،
بھی ہیں۔ صحابہ ایسی ہی باتیں پوچھا کرتے۔ جو انہیں نفع دینے والی ہوتیں۔ حضرت
ابن عمر فرماتے ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہونے والی باتیں نہیں
پوچھا کرتے۔ میں نے عمر بن الخطاب سے سُنا ہے۔ کہ وہ نہ ہونے والی باتوں کے

حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک عورت کے متعلق سوال کیا گیا۔ کہ اس کے شوہر نے انتقال کیا۔ اور مہر کی تعیین نہ کی۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں معلوم۔ مگر لوگوں کے مسلسل ایک ماہ تک اصرار کے بعد آپ نے فرمایا، اس کو پورا مہر مثل دینا چاہیئے۔ اور وہ عدت بھی کریگی۔ اور میراث بھی پائیگی۔ اس کے بعد حضرت معقل بن یسار نے کہا۔ یہ فیصلہ بالکل ٹھیک ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ایک عورت کے متعلق فیصلہ کیا تھا۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں۔ اسلام کے بعد سے اب تک مجھے اتنی بڑی خوشی نہیں حاصل ہوئی تھی۔ جو اس وقت میری رائے کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے مطابقت سے ہوئی۔ ایک صورت یہ ہے۔ کہ دو صحابی کے درمیان کسی مسئلہ میں مناظرہ ہوا۔ اور پھر کسی ایک جانب حدیث صحیح ہو گئی۔ تو صحابی نے اجتہاد سے اس حدیث کی طرف رجوع کر لیا۔ اس کی مثال حضرت ابوہریرہ کا یہ مذہب ہے۔ کہ حالت جنابت میں اگر صبح ہو جاوے۔ تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے لیکن جب بعض ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی۔ تو انہوں نے کہا یہ غلط ہے۔ روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ابوہریرہ رضہ نے اپنے قول واجتہاد سے رجوع کر لیا، تیسری صورت یہ ہے۔ کہ کسی صحابی کو حدیث تو پہونچی۔ لیکن اس کی صحت پر اسے یقین نہ ہوا۔ اس لیئے اس نے اسے تسلیم نہ کیا۔ اور اپنے اجتہاد پر قایم رہا، اس کی مثال فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے۔ کہ وہ اپنے شوہر کی طرف سے طلاق بدعی مغلظ دی گئی تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سکنی اور نفقہ نہ دلوایا، حضرت عمر نے اس حدیث کو قبول نہ کیا۔ اور فرمایا میں کتاب اللہ کو ایک عورت کے بیان پر چھوڑ نہیں سکتا ہوں۔ نہ معلوم جھوٹ کہتی ہے یا سچ، اور دوسری مطلقہ عورت کو مکان اور نفقہ کا حکم دیا۔ اور حضرت عائشہ نے بھی فاطمہ بنت قیس سے یہی کہا۔ کہ تو اللہ سے اس بات کو بیان کرتے ہوئے۔ کہ مکان اور نفقہ نہ دلایا جائے، ڈرتی نہیں، دوسری مثال حضرت عمر کا مسلک تھا

ابن مسعود کی رائے کا معقل بن یسار کی بیان کی ہوئی حدیث سے مطابق ہونا اور اسی طرح بیشمار باتیں جن سے صحیحین و سنن بھری ہیں۔ سب اس دعویٰ کی دلیلیں ہیں الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول یہی تھا۔ کہ آپ مسائل و فتاوی منکر و معروف سبھوں کی تعلیم مجمع عام میں فرماتے تھے۔ تاکہ لوگوں کو غلط فہمی نہ ہو۔ پس ہر صحابی نے اپنی اپنی توفیق اور فراست کے ماتحت آپ کے عبادات وفتاویٰ قضایا سب جمع کیے۔ اور ان کو حفظ کر لیا۔ پھر قرائن کے لحاظ سے ان کے اندر مباح و سُنن و منسُوخ وغیرہ کی تقسیم کرلی۔ یہ صُورت کسی استدلالی شکل میں نہ ہوتی بلکہ اپنے قلب کے فتویٰ اور اطمینان کے معیار پر یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دورِ مُبارک گذر گیا۔ اور وہ اِسی اصُول پر قائم رہے۔ پھر زمانے اور خلافت اسلامیہ کی ضرُورتوں نے انہیں مختلف شہروں اور ملکوں میں منتشر کر دیا۔ اور ان میں کا ہر ایک اپنی جگہ کا مُقتدا ہوُا۔ اب فتوحات اسلامیہ نے نئی قومیں داخل کیں۔ جن کی وجہ سے نئے مسائل پیدا ہوُئے۔ اور ان کا پیدا ہونا ضرُوری بھی تھا۔ نئے وقائع وحوادث نے صحابہ کو غور و اجتہاد کی طرف مائل کیا سب سے پہلے اُنہوں نے اپنے اس مرجع وثیق کی طرف رجُوع کیا۔ اور جو مسائل و احادیث اُن کو آنحضرت سے پہونچی تھیں۔ ان کے مطابق فیصلہ کیا اگر اُن میں نہ پایا۔ تو اجتہاد کیا۔ لیکن اس اجتہاد میں بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علت فیصلہ کو مفقود نہ کیا۔ بلکہ جس علت کی بنا پر آپ نے کوئی حُکم دیا تھا۔ وہی علت اگر اِس میں بھی پائی جاتی تھی۔ تو وہ حکم اس میں بھی دیدیا۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض مفقود نہ ہوسکے۔ اور یہی بُنیاد ہے صحابہ کے آپس کے اختلاف کی۔ مثلاً ایک صحابی نے ایک فتویٰ یا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا اور دُوسرے نے اُسے نہیں سُنا۔ پہلے نے حدیث سے فیصلہ کیا۔ اور دوسرے نے رائے سے، اب اِس اجتہاد بالرائے کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض وہ جو بعد میں حدیث کے مطابق معلوم ہوئیں۔ مثلاً

فرماتے، اور بعض وقت وہم بھی سبب اختلاف ہوتا ہے۔ اسکی مثال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا۔ اور لوگوں نے آپ کو حج کرتے دیکھا۔ بعضوں کا خیال یہ ہوا۔ کہ آپ متمتع تھے۔ بعضوں نے کہا قارن تھے۔ بعضوں نے کہا مفرد تھے۔ دوسری مثال ابوداؤد نے سعید ابن جبیر سے روائت کی ہے۔ کہ وہ حضرت عبداللہ بن عباس سے کہتے ہیں۔ اے ابوالعباس میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج و اہلال کے موقعہ کے اختلاف کو بڑی تعجب کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ میں تمام لوگوں سے زیادہ اس مسئلہ کی حقیقت سے واقف ہوں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حج ہے۔ جس میں لوگ اس طرح مختلف ہوگئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کی نیت سے نکلے۔ ذی الحلیفہ میں پہنچکر دو رکعتیں پڑھیں۔ جس میں ایک رکعت کے اندر تکبیر کہی، اور دو رکعتوں کے بعد تکبیر حج کہی۔ بعض لوگوں نے یہ تکبیر سنی۔ اور انہوں نے اسی کو یاد کر لیا۔ پھر وہاں سے آپ چلے اور آپ کی اونٹنی چلنے لگی۔ تو آپ نے تکبیر کہی۔ ایک جماعت نے اسے دیکھا اور یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تکبیر کہی۔ جب آپ کی اونٹنی تیز چل رہی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میدان کے ٹیلے پر پہنچے۔ تو آپ نے وہاں تکبیر کہی۔ بعضوں نے یہ سمجھا۔ کہ یہیں سے اہلال کرنا چاہیئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں اہلال کیا۔ اور قسم اللہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مصلی اور اونٹ کی چلنے کی حالت اور ٹیلے پر چڑھنے کی حالت میں ہر وقت تکبیر کہی،، ایک اختلاف کا سبب سہو و نسیان بھی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں عمرہ کیا۔ حضرت عائشہ نے جب سنا تو فرمایا۔ وہ بھول گئے ہیں۔ ایک اختلاف کا سبب حدیث کا عدم فہم بھی ہے۔ جیسے حضرت عمر یا ابن عمر کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردے اپنے رشتہ داروں کے رونے کی وجہ سے عذاب کئے جاتے ہیں۔ جب حضرت عائشہ کو اطلاع ملی۔ تو آپ نے فرمایا۔ ابن عمر یا عمر نے حدیث کا مفہوم صحیح نہیں سمجھا۔ اصل واقعہ یہ تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک

کہ جُنبی کے لیئے اگر پانی نہ پائے تو تیمم کافی نہیں، حضرت عمار ابن یاسر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے سفر کا حال بیان کیا۔ کہ میں جُنبی ہوگیا۔ اور پانی نہ ملا۔ تو میں مٹی میں لتھڑ گیا۔ اور میں نے اس طریقہ کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی کیا ضرورت تھی۔ اور اپنے دستِ مُبارک زمین پر مارے۔ اور اپنے چہرہ اور ہاتھ پر مل کر فرمایا۔ یہ طریقہ کافی تھا۔ لیکن حضرت عمر نے کسی پوشیدہ علت کی وجہ سے اُسے قبول نہ کیا۔ لیکن بعد میں یہ حدیث اس قدر مستفیض ہوئی کہ اس کی عدم صحت کا وہم جاتا رہا۔ اور بالاتفاق لائق عمل ہوگئی۔ چوتھی صُورت یہ ہے۔ کہ کسی صحابی کو حدیث ہی نہیں پہونچی مثلاً حضرت ابن عمر عورتوں کو غسل کے وقت جوڑے کھولنا ضروری جانتے تھے۔ جب حضرت عائشہ کو اسکی اطلاع ملی۔ تو اُنہوں نے فرمایا۔ تعجب ہے۔ ابن عمر ایسا فتویٰ دیتے ہیں۔ پھر وہ عورتوں کو غسل کے وقت سر مونڈوا لینے کا کیوں فتویٰ نہیں دیتے میں نے حضرت رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غسل کیا ہے۔ اور سر پر صرف تین بار پانی ڈالا ہے۔ اور بال نہیں کھولے۔ ایک اور مثال زہری کہتے ہیں۔ کہ ہند کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں پہنچی تھی۔ کہ عورت کے لئے حالت حیض میں نماز مُعاف ہے۔ وہ ان ایام میں نماز نہ پڑھنے سے رویا کرتی تھیں، پھر اس اختلاف رائے کی ایک اور صُورت یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی نوعیت کے متعلق اختلاف ہوجائے، جیسا کہ اصحاب اصُول روائت کرتے ہیں۔ کہ تحصیب یعنی وادی ابطح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُترنے کے وقت کا اختلاف، ابوہریرہ اور ابن عمر نے اس کو قربت پر محمول کیا۔ اور سُنن حج میں داخل کردیا۔ لیکن حضرت عائشہ اور ابن عباس نے اس کو محض اتفاقی امر سمجھا۔ دوسری مثال جمہور صحابہ طواف میں رمل کو سُنت کہتے ہیں۔ اور ابن عباس ایک امر اتفاقی سمجھتے ہیں۔ جو ایک ضرورت کے ماتحت تھا۔ اور وہ یہ تھا۔ کہ مُشرکین کہا کرتے ان لوگوں کو یثرب (مدینہ) کی گرمی نے کمزور کردیا ہے۔ اس لئے حضرتِ رمل

قضاء حاجت کی، اور اس سے وہ جمہور کے قول کو رد کرتے ہیں، اور ایک جماعت نے ان دونوں روائیتوں کو جمع کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا۔ کہ نہی صحرا میں منع ہے۔ اور مکان میں استقبال اور استدبار دونوں جائز ہیں۔ جیسا کہ شعبی وغیرہ کا یہی خیال ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول عوام کے لئے واجب العمل اور آپ کا ذاتی فعل ممکن ہے۔ آپ کی خصوصیات سے ہو۔ اس لئے وہ اس حکم عام کے لئے ناسخ اور مخصص نہیں بن سکتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ صحابہ کے اختلاف کی یہی نوعیتیں قایم ہوئیں۔ اور تابعین نے مختلف صحابہ سے حدیثیں اور خود ان کے اقوال اخذ لئے۔ اور اپنی فہم فراست سے متضاد کی توجیہہ یا ایک کی دوسرے پر ترجیح قایم کی، اور صحابہ کے بعض اقوال ان کے نزدیک دیگر احادیث واخبار کی وجہ سے مضمحل ہو گئے۔ اگرچہ وہ کبار صحابہ سے منقول تھے، جیسے تیمم میں حضرت عمر اور عبد اللہ بن مسعود کا مسلک کے بعد والوں کے پاس اس روائت کی صحت بہت کافی ذرائع سے ہوئی، اور عمار اور عمران بن حصین وغیرہما کی حدیثیں اس پر صاف دلالت کرتی تھیں۔ اس اصول پر تقریباً سارے علماء تابعین کا ایک خاص مذہب بن گیا۔ اور ہر عالم اپنے شہر کا امام ہو گیا، جیسے سعید بن المسیب اور سالم بن عبد اللہ بن عمر اور ان کے بعد زہری، قاضی یحییٰ بن سعید، ربیعہ بن عبد الرحمن مدینہ میں اور عطاء بن ابی رباح مکہ میں، ابراہیم نخعی، شعبی کوفہ میں، اور حسن بصری بصرہ میں، اور اور طاؤس بن کیسان یمن میں، اور مکحول شام میں، یہ تفصیل تھی۔ تابعین علما کی اسلامی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کا پیاسا سارے عالم کو بنایا۔ اور لوگ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے فتاوی اور اقوال انہیں سے جمع کرنے لگے اور خود ان کے اقوال وفتاوی بھی لوگوں نے اخذ کئے۔ اور یہی حضرات امت کے مفتی قاضی قرار دئے گئے۔ اور سعید بن المسیب اور ابراہیم وغیرہما نے پورے فقہی ابواب کو جمع کیا۔ اور ہر باب کے لئے ان کے پاس چند اصول تھے۔ جن کو انہوں نے سلف سے پایا تھا۔ اور اسی کے ساتھ سعید بن المسیب وغیرہ کا خیال یہ تھا۔ کہ اہل الحرمین

یہودیہ کے سامنے سے گذرنے۔ اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا گھر والے تو رو رہے ہیں۔ اور اس پر عذاب کیا جا رہا ہے۔ حضرت عمر وغیرہ نے عذاب کو رونے کی علت سمجھ کر ہر روئے جانے والی میت کے لئے عذاب کا حکم لگا دیا، اور بعض وقت کسی حکم حدیث کی علت معلوم کرنے میں اختلاف ہو گیا ہے۔ اس کی مثال جنازہ کے لئے کھڑا ہونا ہے۔ بعضوں نے کہا۔ اس سے ملائکہ کی تعظیم مدنظر ہے۔ مومن و کافر دونوں برابر ہیں، اور بعضوں نے کہا موت کے خوف کو یاد کرنے کے لئے کھڑے ہونا ہے لیکن حضرت حسن ابن علی علیہما السلام فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ گذرا۔ تو آپ اس خوف سے کھڑے ہو گئے۔ کہ وہ آپ کے سر سے اوپر ہو کر نہ گذر جائے اسی طرح بعض وقت مختلف حدیثوں کے جمع میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ جیسے متعہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام خیبر میں ایک دفعہ اس کی اجازت دی تھی پھر دوبارہ غزوہ اوطاس میں پھر آپ نے منع فرمایا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں رخصت ایک ضرورت کی وجہ سے تھی۔ اور نہی اس ضرورت کے پورے ہو جانے سے ہوئی اور حکم اس کا باقی رہیگا (یعنی اگر پھر علت لوٹ آئے۔ تو حکم بھی لوٹیگا) اور جمہور کا خیال ہے۔ کہ رخصت اباحۃ تھی۔ اور نہی نے اس کا نسخ کر دیا۔ اور اب الی یوم القیامۃ حرام ہے۔

ایک اور مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجا میں استقبال قبلہ سے منع فرمایا۔ ایک جماعت اس لفظ کے عموم کی طرف گئی۔ اور اسی کو اصل قرار دیا، اور اس کو غیر منسوخ سمجھا۔ اور حضرت جابر فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات سے ایک سال قبل قبلہ کی طرف استنجا کرتے دیکھا۔ اور اس فعل سے نہی منسوخ ہو گئی۔ اور حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔ اپنے قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے قضاء

* متعہ کی بحث ابن عبد البر نے کتاب التمہید میں بھی کی ہے۔ اور وہ حضرت عبد اللہ بن عباس کی تائید بعض دیگر صحابہ سے بھی کرتے ہیں۔ جیسے جابر بن عبد اللہ وغیرہ، لیکن خود مصنف نے اس مسلک باطلہ کی تردید کی ہے۔

اخذ حدیث میں آئمہ اربعہ کا اصول اور اُن کے اختلاف کے اسباب

اللہ تعالیٰ نے تابعین یا تبع تابعین کے بعد ایسے حاملین علم پیدا کیئے جن کے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشینگوئی کی تھی۔ یعنی یحمل ھذا العلم من کلِ خلف عدولہ: پچھلی نسلوں میں سے عادل لوگ اس علم کو حاصل کرینگے اُنہوں نے تابعین کے وضوء، غسل۔ نماز۔ حج، نکاح، بیوع اور تمام کثیر الوقوع احکام حاصل کیئے۔ احادیث نبوی کی روائت کی مختلف شہروں کے مفتیوں اور قاضیوں کے فیصلے سُنے مسائل دریافت کرتے رہے۔ ان تمام امور میں اُنہوں نے نہائت ہی کوشش کی آخر کو وہ مسلمانوں کے مقتدا اور تمام امور مذہبی کے مرجع بن گئے، تصریح کے علاوہ ایماء اور اقتضاء سے باتیں معلوم کرنے میں حد درجہ اُنہوں نے اہتمام کیا، ہمیشہ مسئلوں کے جواب دیتے رہے، فیصلے کرتے رہے۔ علوم نقل کیئے اور لوگوں کو اُسکی تعلیم دی،

اِس طبقہ کے علماء کا کام یکسان تھا۔ سب کا طرزِ عمل یہ تھا۔ کہ وہ حدیثوں سے تمسک کرتے تھے، خواہ مُسند ہوں یا مُرسل اقوال صحابہ اور تابعین سے استدلال کرتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ ان صحابہ اور تابعین کی حدیثیں رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ ان کو انہوں نے احادیث موقوفہ قرار دیا تھا۔ اس طبقہ کا یہ بھی اصُول تھا۔ کہ جب کِسی مسئلہ میں حدیثیں مختلف ہوتیں تو وہ صحابہ کے اقوال کی جانب رجوع کرتے۔ اگر صحابہ اِس کے نسخ یا غیر ظاہر معنے کے قائل ہوتے یا اُنہوں نے اِس قسم کی کوئی تصریح نہ کی ہوتی۔ لیکن اس پر عمل بھی نہ کیا ہوتا۔ اور عمل نہ کرنا اس کی کسی پوشیدہ خرابی کی وجہ سے ہوتا۔ تو یہ لوگ

فقہ میں سب سے زیادہ لائق اخذ ہیں۔ اور ان کے مذہب کی اصل عبداللہ بن عمرؓ عائشہ
ابن عباسؓ اور مدینہ کے قضاۃ کے فتاویٰ تھے، انہوں نے انہیں اقوال کو جمع کیا۔ اور
اس میں غور فکر کرنے لگے۔ جو متفق علیہ نظر آیا۔ اسے پوری توجہ کے ساتھ اخذ کیا۔ اور جو
مختلف فیہ تھا۔ اس میں اقوی وارجح کی طرف رجوع کیا، یا اس وجہ سے کہ کثرت اسی طرف
تھی۔ یا اس لئے کہ قیاس صحیح اور تخریج کتاب وسنت اسی چیز کی داعی تھی۔ اور اگر ان
تمام ذخیروں میں انہیں کسی خاص مسئلہ کا جواب نہ ملا۔ تو اشارات واقتضاءات کے
لحاظ سے فیصلہ کیا۔ اس بنا پر انہیں ہر باب کے ماتحت بہت مسائل حاصل ہو گئے۔
دوسری طرف ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کا یہ خیال تھا۔ کہ عبداللہ بن مسعود اور ان
کی جماعت کا اتباع فقہ میں سب سے بہتر ہے۔ جیسا کہ علقمہ نے ایک موقع پر مسروق
سے کہا تھا۔ کیا تم میں سے کوئی عبداللہ بن مسعود سے بھی زیادہ لائق اقتدا ہے؟ اور حضرت
امام ابوحنیفہ نے امام اوزاعی کو کہا۔ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور اگر عبداللہ بن عمرؓ
کو شرف صحبت نہ ہوتا۔ تو میں کہتا۔ کہ علقمہ ان سے تفقہ میں افضل ہیں، اور عبداللہ ابن
مسعود تو عبداللہ ابن مسعود ہی ہیں۔ اور ابراہیم کا اصل مذہب حضرت علی عبداللہ
بن مسعود شریح رضی اللہ عنہم اور دیگر قضاۃ کوفہ کے فتاویٰ وقضایا ہے۔ انہوں نے بھی
اللہ کی توفیق سے اپنے یہاں کے فتاویٰ اہل مدینہ کی طرح جمع کئے۔ اور تخریج واستنباط
سے ہر ہر باب میں بہت سے مسائل پیدا کئے۔ تو سعید ابن المسیب اہل مدینہ کی
زبان قرار دے گئے۔ کیونکہ وہ عمرؓ ابوہریرہؓ کی حدیث وقضایا کے
حافظ تھے۔ اور ابراہیم اہل کوفہ کی زبان قرار دے گئے۔ اس لئے
اگر یہ دونوں کچھ کہیں۔ اور کسی کی طرف سے اُسے منسوب نہ کریں۔ تو زیادہ
حصہ اس کا سلف ہی کی طرف صراحتاً یا کنایتاً منسوب ہوگا۔ اب دونوں سے ان
کے شہر کے فقہاء نے لیا۔ اور غور وفکر کی اور اسی کے مطابق مسائل کی تخریج شروع
کر دی، واللہ اعلم[1]۔

[1] حجۃ البالغہ

مدینہ میں تصنیف شروع کی۔ اور ابن جریج اور ابن عُیینہ نے مکہ ثوری نے کوفہ عبداللہ بن مبارک نے خراسان ربیع بن صبیح نے بصرہ میں حدیثیں جمع کیں جب منصور عباسی نے حج کیا۔ تو امام مالک سے کہا۔ میرا قصد یہ ہے۔ کہ تمہاری مصنفہ کتاب کے مختلف نسخے کرکے اقطار میں بھیجدوں۔ اور لوگوں کو اُسی پر عمل کرنے کی تاکید کروں۔ آپ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ملکوں میں پھیل چکی ہیں۔ اور صحابہ فروع مسائل میں باہم مختلف ہیں۔ اور لوگوں نے اُنہیں سے اپنے مذاہب مدوّن کئے ہیں۔ اس لئے اُن کو ان کے مذہب پر چھوڑ دیجئے۔ بعضوں نے اس قصتہ کو ہارون الرشید کی طرف منسوب کیا ہے۔ ہارون کا ارادہ موطا کو خانہ کعبہ میں لٹکا دینے کا تھا۔ لیکن امام مالک نے یہ کہکر روک دیا۔ کہ فروع میں صحابہ اور تابعین مختلف ہیں۔ اور ہر شخص اپنی تائید میں حدیثیں رکھتا ہے۔ علما مدینہ کی جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہونچیں تھیں۔ ان میں امام مالک رح سے زیادہ قابل اعتماد اور کوئی نہ تھا۔ کیونکہ مدنی صحابہ اور فقہاء سبعہ کے اقوال پر ان کو سب سے زیادہ اطلاع تھی۔ جب امام مالک مرجع و مقتدی ہوئے۔ تو اُنہوں نے حدیث و فنون کو پھیلایا۔ لوگوں کو اُن سے مکمل فائدے پہنچے۔ امام مالک کے شاگردوں نے اُن کے پسندیدہ اقوال اور روایتوں کو جمع کیا۔ اور کتابی شکل میں لاکر اُن پر شرحیں لکھیں اور خدا نے ان کے ذریعے سے امت کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ اور اسی کا نام مالکی مذہب ہُوا۔ دوسری طرف امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کا مسلک اخذ حدیث میں اپنے شہر کے شیوخ کی پابندی تھی۔ وہ ابراہیم نخعی اور انکے ہمعصر علماء کی روش کے زیادہ پابند تھے، ان کی عظمت شان کا اندازہ ان کے مسائل مخرجہ سے ہوسکتا ہے۔ آپ نہایت دقیق النظر اور دوربین تھے، فروعات کی جانب آپ کی بڑی توجہ تھی۔ اس قول کی صداقت امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق اور ابوبکر بن ابی شیبہ کی مصنف سے ہوسکتی ہے۔ امام صاحب کہیں بھی ابراہیم نخعی سے

بھی اِس پر عمل نہ کرتے۔ اور صحابہ کا اتباع کرتے۔

یہ اصول سارے سلف کا تھا۔ اور اس میں ایک شخص کا بھی اختلاف نہ تھا۔ اُن کے نزدیک حدیث کے ناقابل قبول ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی۔ کہ اُس پر عمل نہ کیا گیا ہو[1] چنانچہ اسی وجہ سے امام ترمذی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ میں اپنی کتاب میں جو حدیثیں لایا ہوں۔ وہ فقہا کی معمول بہا ہیں اِلّا دو حدیثیں کہ اُن پر اُمت میں کسی نے بھی عمل نہیں کیا۔ اِسی لیے جب صحابہ اور تابعین کے اقوال مختلف ہُوا کرتے۔ اور ہر جانب معمول بہا حدیثیں یا آثار ہوتے تو اس وقت ہر ایک عالم کی نظر میں اپنے شہر کے علما اور اپنے ہی اساتذہ کا قول پسندیدہ ہوتا، کیونکہ وہ اُن کی صحت وسقم سے پُوری طرح واقف ہوتا ہے اور ان کے تبحر وفضل کی طرف اس کا میلان زیادہ ہُوا کرتا ہے۔ اس لئے حضرت عمر عثمان عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ عبداللہ بن عباس زید بن ثابت اور اُن کے شاگرد مثل سعید بن مسیب جن کو حضرت عمر اور ابوہریرہ رضہ کے فیصلے سب سے زیادہ محفوظ تھے۔ اور عروہ، سالم عطا بن یسار، قاسم، عبیداللہ بن عبداللہ۔ زہری یحیٰی بن سعید، زید بن اسلم ربیعہ رضی اللہ عنہم اجمعین یہ سب اہل مدینہ کی نظر میں حدیث حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ اور مدینہ ہر زمانہ میں فقہا اور علماء کا مرکز رہا تھا۔ اِسی لئے امام مالک رح کبھی اہل مدینہ کے مسلک کو نہیں چھوڑتے تھے، اور عبداللہ بن مسعود اور ان کے شاگرد اور حضرت علی، شریح، شعبی اور ابراہیم کے فتوی اور کوفہ کے بیشمار صحابہ وتابعین، علما کوفہ کی نظروں میں اوروں کی نسبت زیادہ لائق سمجھے جاتے تھے۔ اور جو اقوال یہ علما اپنے اساتذہ سے سُنتے تھے۔ اور اگر کسی خاص مسئلہ کا جواب ان سے نہ معلوم ہُوا ہو۔ تو ایما اور اقتضاء کے ذریعہ ان کے کلام سے مسئلہ کے جواب نکال لیا کرتے۔ اِس طبقہ کے علما نے اپنے اپنے شہر کے آثار و فتاوی جمع کرنا شروع کئے۔ امام مالک اور محمد بن ابی ذئب نے

---

[1] معلم المشائخ علامہ مقبلی

کے لیئے امام شافعی نے اُس قسم کی حدیثوں کے متعلق اصُول کی بنا ڈالی۔ اور ان سب کو ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ ایک امر یہ بھی تھا۔ کہ بعض صحیح احادیث اُن علماءِ تابعین کو نہ پہونچیں تھیں۔ جن پر فتویٰ کا مدار تھا۔ اِس لیئے ان کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑا۔ عام الفاظ کا اُنھوں نے لحاظ کیا اور گذشتہ صحابہ کی انھوں نے پیروی کی اور اُسی کے مطابق اُنھوں نے فتویٰ دیا۔ لیکن تیسرے طبقہ میں ان احادیث کی شہرت ہو گئی۔ لیکن اُنھوں نے یہ گمان کر کے کہ یہ حدیثیں اُن کے شہر کے عُلما کے عمل اور متفق علیہ طریقوں کے مُخالف ہیں۔ اس لیئے اُنھوں نے اس پر عمل نہ کیا۔ اور یہ حدیثیں مُورد طعن اور قابل السقوط ہو گئیں (ناقابل اعتبار) یا بعض حدیثیں ایسی تھیں کہ تیسرے طبقہ میں بھی ان کی شہرت نہ ہوئی۔ لیکن محدثین نے احادیث کے تمام طرق کو خوب غور کر کے دیکھا۔ اور اطراف مُلک میں سفر کر کے علما حدیث سے اُن کی تفتیش کی گئی۔ تو اکثر احادیث ایسی ظاہر ہوتی گئیں۔ کہ صحابہ میں سے صرف ایک یا دو شخصوں نے ان کی روائیت کی تھی۔ اس لئے اکثر فقہا کی نظر سے مخفی رہیں۔ اور اُن حفاظ حدیث کے وقت اُن کی شہرت ہوئی جنھوں نے تمام طرق حدیث کو جمع کیا تھا، بہت سی احادیث ایسی تھیں۔ مثلاً بصرہ کے علما ان کی روائیت کرتے تھے، اور دُوسرے حصّوں میں اُن کی جانب سے غفلت تھی۔ تو امام شافعی نے ایسے موقع پر یہ توضیح کی۔ کہ علما صحابہ و تابعین ہر مسئلہ میں احادیث کی تلاش میں رہے۔ جب کوئی حدیث نہ ملی۔ تو اجتہاد کیا۔ اور اگر حدیث ملی۔ فوراً اجتہاد سے رجُوع کر لیا، اور حدیث پر عمل کیا۔ جب اُن کی ایسی حالت تھی۔ تو کسی حدیث پر ان کا عمل نہ کرنا اس حدیث کے ناقابل قبُول ہونے کی دلیل نہیں، حدیث مجروح جب ہو سکتی ہے۔ کہ کوئی صاف جرح اس میں موجود ہو۔ اور یہ بھی تھا۔ کہ صحابہ کے سب اقوال امام شافعی کے وقت میں جمع کیئے گئے۔ انھوں نے جب ان اقوال میں غور کیا۔ تو انہیں معلوم ہُوا۔ کہ بعض صحابہ بھی صحیح احادیث پر مطلع نہ ہو سکے، اور اُن کے اقوال حدیث کے خلاف ہیں۔ اِس لئے اُنھوں نے اِن حدیثوں پر عمل کیا اور فرمایا۔ نحن رجال و هم رجال ہم بھی آدمی ہیں۔ اور وہ

علیحدہ نہیں ہوتے۔ الاماشاءاللہ اور اس علیحدگی میں بھی فقہاء کوفہ سے کہیں علیحدہ نہیں ہوتے۔ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت امام ابویوسف کی ہوئی۔ ہارون الرشید کے وقت میں قاضی القضاۃ کا منصب اُن کو حاصل ہُوا۔ اور تمام اطراف عراق۔ خراسان وماوراءالنہر میں اُن کا مسلک پھیل گیا، اور تمام شاگردوں میں تصنیف کی شائستگی اور اہتمام درس کی فوقیت امام محمد کو حاصل ہوئی۔ اُنہوں نے امام ابوحنیفہ ابویوسف و مالک وغیرہ سے علوم حاصل کئے۔ لیکن امام صاحب کے یہ دونوں شاگرد آپ کے ہی نقش قدم پر چلے۔ صرف مختلف فروعات میں آپ سے اختلاف کیا امام محمد کی تصنیفات سے اُمت نے بیحد فایدہ حاصل کیا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ماننے والوں نے ان کتابوں کی طرف کافی توجہ کی۔ اور اُن کے شرح وحواشی لکھے، اور ان کے مسائل کو مُدلل کیا، اور ان کی پوری خدمت کی۔ اور پھر خراسان وماوراالنہر وغیرہ میں پھیل گئے۔ اور انہیں منضبط کتابوں پر عمل کا نام حنفی مذہب ہُوا۔ جب مذہب حنفی و مالکی شایع ہو چکا۔ اس کے اصول و فروع مرتب ہو چکے۔ تو امام شافعی کا نشوونما ہُوا۔ اُن کے مُتعلق کہا جاتا ہے۔ کہ اُنہوں نے متقدمین کی روشوں میں جب غور کیا۔ تو بہت سی ایسی باتیں پائیں۔ جن کی وجہ سے وہ ان کا پورا اتباع نہ کر سکے۔ امام شافعی نے اِن طریقوں کو کتاب الام کے اوائل میں ذکر کیا ہے۔ منجملہ اُن کے یہ امر تھا۔ کہ متقدمین حدیث مرسل و منقطع پر بھی عمل کرتے تھے۔ اور اس قسم کی احادیث خرابی سے خالی نہیں تھیں۔ جب حدیث کے طرق بتمامہا جمع کئے جاتے تھے۔ تو یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی۔ کہ اکثر مرسل احادیث محض بے بنیاد تھیں۔ اور اکثر مُرسل حدیثیں مرفوع کے مخالف تھیں۔ اِس لئے مرسل پر عمل اسی وقت کیا جائے۔ جب اُس کے شروط متحقق ہوں۔ کتب اصول میں یہ تمام شرطیں مذکور ہیں۔ دُوسرا قول یہ تھا۔ کہ مختلف احادیث کے متعلق متقدمین کے زمانے میں ایسے اقوال منضبط نہ تھے۔ جن سے اُن احادیث میں جمع ہو سکے۔ اِس لئے اُن کے اجتہادی مسائل میں اکثر خرابیاں رہا کرتی تھیں۔ اِس ضرورت کے رفع کرنے

نہ کرو گے۔ تو خود بھی ہلاک ہو گے۔ ابو نصر کہتے ہیں۔ کہ جب ابو سلمہ بصرہ میں آئے۔ تو میں اور حسن بصری اُن کی ملاقات کو گئے۔ انہوں نے حسن بصری سے فرمایا۔ حسن بصری تم ہی ہو۔ بصرہ میں مجھے تمہاری ملاقات سے زیادہ اور کسی سے ملنے کا شوق نہ تھا۔ شوق اس لئے تھا۔ کہ مجھے معلوم ہوا۔ کہ تم اپنی رائے سے مسئلہ کا جواب دیتے ہو۔ آئندہ بجز قرآن و حدیث کے اپنی رائے سے فتویٰ نہ دینا، امام شعبی کا قول ہے۔ یہ علماء حدیث رسول خدا اگر تجھ سے بیان کریں۔ تو اُسے قبول کرو۔ اور جو کچھ اپنی رائے سے کہیں۔ اُسے پاخانہ میں ڈال دو۔ اسی اہتمام کی وجہ سے حدیث کی تدوین کا ذوق شائع ہو گیا۔ بلاد اسلامی میں جا بجا حدیث کے متعلق تصنیفیں ہونے لگیں۔ اہل روائت میں ایسے علما کم تھے۔ جن کی کوئی تصنیف نہ ہو۔ اُس وقت کی ضرورت نے ایسی حالت پیدا کر دی تھی۔ اُس زمانہ کے بلند پایۂ علما نے تمام ممالک حجاز، شام، عراق، مصر، یمن، خراسان وغیرہ میں سفر کیا۔ اور کتابیں اور نسخے متفرق جگہوں سے فراہم کئے۔ غریب حدیثیں اور نادر آثار کے لئے بڑی کاوش کی، ان کی کوشش سے وہ آثار و احادیث جمع ہو گئیں۔ جو پیشتر جمع نہ ہو سکی تھیں۔ اور اُن کے لئے وہ سامان مہیا ہو گیا۔ جو پیشتر کسی کے لئے مہیا نہ ہوا تھا۔ اور بکثرت ایک ایک حدیث کے طرق خاصہ اُن کو معلوم ہو گئے۔ حتیٰ کہ اُن کے پاس ایسی حدیثیں بکثرت تھیں۔ جو سو سو طریقوں سے مروی تھیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ طریقوں سے انکشاف ہو گیا۔ اِن علماء نے ہر ایک حدیث کا درجہ معلوم کر لیا۔ کہ کونسی غریب ہے۔ اور کونسی مستفیض ہے اور حدیث کے متابعات اور اُس کے شواہد میں غور کرنے کا اُن کو خوب موقع ملا۔ اور بکثرت صحیح حدیثوں کا اُن کو پتہ مل گیا۔ جو اگلے مصنفوں کے وقت میں ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ امام شافعی نے امام احمد سے کہا۔ کہ صحیح احادیث کا علم تم کو مجھ سے زیادہ ہے۔ جو حدیث صحیح ہوا کرے۔ وہ ہمیں بتا دو۔ تاکہ میں اُسی کو اپنا مذہب قرار دوں خواہ وہ حدیث کوفی ہو یا بصری یا شامی (نقلہ ابن الہمام) اِس طبقہ کے علماء نے اس فن میں بہت غور کیا۔ اور اِس میں بحث و تفتیش کر کے ایک مستقل فن کر دیا، اِس

بھی آدمی تھے، اس لئے ضروری نہیں۔ کہ جس حدیث پر (اپنے عدم علم کیوجہ سے دعمل نہ کریں) ہم بھی نہ کریں۔ امام شافعی کا ایک خیال یہ بھی تھا۔ کہ ہم نے فقہا کی ایک جماعت کو دیکھا۔ کہ وہ قیاس شرعی کے اندر ایسی رائیں مخلوط کر دیتی ہیں۔ جن کو شرع کی نظر میں وقعت نہیں دی جا سکتی۔ اور وہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ اور اپنی رائے کا نام استحسان رکھتے ہیں، اس چیز کو بھی انہوں نے نہایت شدت کے ساتھ باطل کیا ہے۔

حاصل کلام، جب امام شافعی نے اپنے خیال میں متقدمین کی ایسی حالت دیکھی تو انہوں نے از سر نو فقہ مرتب کیا۔ اور ان کے اصول و فروع کی ترتیب دی۔ نہایت رزانت سے کتابیں تصنیف کیں۔ فقہا نے ان کتابوں کا اختصار کیا، شرحیں لکھیں ان کے دلائل بیان کئے۔ ان سے مسائل نکالے۔ اور پھر اکثر شہروں میں یہ لوگ پھیل گئے۔ اور مذہب شافعی اس طریقہ کا نام ہو گیا۔

ٹھیک انہیں ایام میں جب امام شافعی رح اپنے افکار قوم کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ ایک اور ہستی نمایاں ہوئی۔ جسے دنیا حضرت امام احمد بن حنبل رح کے نام سے جانتی ہے۔ امام احمد رح کے مسلک کو سمجھنے کے لئے چند اصولی باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

حضرت امام شافعی رح کے بعد اس خیال کو عام طور پر تقویت دی گئی۔ کہ جو صحیح حدیث بھی ہمارے سامنے آئے۔ کسی شہر اور کسی شخص کی ہو۔ چاہے۔ اس پر پہلے عمل کیا گیا ہو۔ یا نہ، قابل قبول ہے۔ صحابہ اور تابعین میں دو جماعتیں تھیں، ایک وہ جو فتویٰ اور استنباط مسائل سے بہت ڈرا کرتی تھی۔ اور رائے و اجتہاد کو نا پسند کرتی تھی۔ اُن کی اصلی غرض صرف حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا روائت کرنا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں۔ اے قوم بلا کے نازل ہونے سے قبل اس کی تفتیش میں جلدی نہ کر، اور اسی قسم کے اقوال عمر، علی، ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ اور جابر بن زید سے حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا تھا۔ کہ تم بصرہ کے فقہا میں ہو۔ اس لئے ہمیشہ فتویٰ قرآن و حدیث کی موافقت میں دینا اگر ایسا

دلوں میں پیدا ہوجایا کرتا ہے۔ جب علمائے ان قواعد کے لحاظ سے فقہ کی ترتیب
دی؟ تو جن مسائل میں قدما نے کلام کیا تھا۔ یا جو اس موجودہ زمانے میں پیش آئے
تھے۔ کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا۔ جس کے متعلق کوئی مرفوع، متصل یا مرسل، یا موقوف
صحیح، یا حسن یا قابل اعتبار حدیث نہ پہنچی ہو یا شیخین اور دیگر خلفاء یا قضاۃ اور فقہائے
بلاد کے کسی اثر کا پتہ نہ لگا ہو یا عموم ایماء و اقتضاء سے اس کا سراغ نہ لگایا گیا ہو۔
اس طرح حذاق نے مذہب پر عمل کرنا آسان کر دیا تھا۔ اس تمہید کو سمجھنے کے بعد یہ
معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ اس جماعت کے سرخیل اور سب سے زیادہ غائر النظر حضرت
امام احمد بن حنبل تھے۔ اور ان کے بعد اسحاق بن راھویہ، حضرت امام نے جس
طریقہ پر فقہ کو ترتیب دیا ہے۔ اس کے لئے بیشمار احادیث کی ضرورت تھی۔
چنانچہ جب آپ سے دریافت کیا گیا۔ کہ فتویٰ دینے کے لئے ایک لاکھ حدیثیں
کافی ہیں؟۔ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں پھر پوچھا گیا۔ پانچ لاکھ کافی ہو سکتیں ہیں۔
فرمایا میرا خیال ہے۔ کہ کافی ہو جائینگی۔ اسی لئے آپ کے طریقہ استدلال میں حنفیہ
و مالکیہ کا رنگ اجتہاد نہیں ہے۔ بلکہ ہر مسئلہ کے بعد قرآن یا حدیث سے استدلال ہے۔
اس کے بعد اب جامعیت کے ساتھ یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ان آئمہ کرام میں
کوئی بھی ایسا نہ تھا۔ جو کتاب سنت کے مقابلہ میں اپنی رائے و اجتہاد کو دخل دیتا ہو
بلکہ جیسا کہ اوپر کے مباحث سے معلوم ہوا۔ آئمہ کرام میں بعض خاص چیزوں میں اختلاف
تھے۔ مثلاً حضرت امام ابوحنیفہ و امام مالک رح کے نزدیک مرسل حدیثیں قابل قبول
تھیں۔ اور امام شافعی رح کے نزدیک نہیں۔ پھر امام اعظم رح خبر آحاد سے قرآن کی
تخصیص کے قائل نہ تھے۔ اور بعض آئمہ تھے، امام اعظم رح رُواۃ حدیث میں
فقیہہ کو غیر فقیہہ پر ترجیح دیتے تھے۔ اور دوسرے علو سند کو جیسا کہ رفع یدین کے
مسئلہ میں امام اوزاعی رح سے امام صاحب نے فرمایا تھا۔ پھر حضرت امام اعظم
روائت باللفظ کو روائت بالمعنی پر ترجیح دیتے تھے۔ یعنی حدثنا و اخبرنا کے ذریعہ
جو حدیثیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روائت کیجائیں۔ ان میں بعینہ

[illegible]

طبقہ کے اساطین علماء یہ ہیں یحییٰ بن سعید القطان، یزید بن ہارون عبدالرحمٰن بن مہدی عبدالرزاق، ابوبکر بن ابی شیبہ، مسدد۔ ہناد، احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ فضیل بن عیاض، وکیع، علی بن المدینی اور ان کے دیگر ہمرتبہ محدثین جب محققین اہل حدیث نے فن روایت اور درجات حدیث خوب مکمل کرلئے۔ تو وہ فقہ کی طرف مائل ہوئے مگر اسی کیساتھ ان کا مسلک حسب ذیل اصول پر تھا۔ جب تک کسی مسئلہ کا حکم قرآن سے ثابت ہو۔ تو کسی دوسری شے کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر قرآن میں مسئلہ کا حکم مختلف الوجوہ ہو۔ تو اس کا حدیث سے فیصلہ کرنا چاہیئے۔ خواہ وہ حدیث مستفیض ہو۔ جس پر فقہاء عمل درآمد کرچکے ہوں۔ یا کسی خاص شہر کے علما یا کسی خاص خاندان کے علما یا کسی خاص قبیلہ کے علما یا کسی خاص طریقہ سے وہ مروی ہوئی۔ خواہ صحابہ یا فقہا نے اس پر عمل کیا ہوتا یا نہ کیا ہوتا۔ کسی مسئلہ میں جب اُن کو حدیثیں مل جاتیں۔ تو پھر وہ کسی اثر یا کسی اجتہاد کا اتباع نہ کرتے۔ اور جب نہایت کوشش کے بعد بھی کسی مسئلہ میں حدیث نہیں ملتی تھی۔ تو اس وقت صحابہ یا تابعین میں سے ایک جماعت کا اتباع کرتے تھے۔ اِس اتباع میں کسی شہر اور کسی قوم کی خصوصیت نہ تھی، اور ان کے نزدیک) قدما کا یہی دستور تھا۔ ایسی صورت میں اگر اس مسئلہ میں جمہور فقہا و علماء کا وہ مسلک ہوتا۔ تو یقین و اطمینان کے لئے کافی تھا۔ اور اگر مختلف فیہ تھا۔ تو جس طرف زیادہ ثقہ ورع عالم اور مشہور لوگ ہوتے۔ اسی کا اتباع کرتے۔ اور اگر دونوں طرف برابر ہی ہوتی۔ تو وہ مسئلہ ذات القولین ہو جاتا۔ اور اگر ان باتوں کی چھان بین دُشوار ہُوا کرتی تھی۔ تو اس وقت کتاب و قرآن کی عام تعبیروں میں اُن کے ایما و اقتضاء میں غور کیا کرتے تھے۔ اور جب دو مسئلوں میں ایک سی حالت ہوتی تھی۔ تو ایک کو دُوسرے پر قیاس کر لیتے۔ اس میں وہ قواعد اصُول کے پابند نہ تھے۔ بلکہ جس طریقہ سے ایک اطمینانی حالت پیدا ہو جایا کرتی تھی۔ اسی سے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ جیسے کہ تواتر کے لئے راویوں کی تعداد ان کی حالت کے لئے میزان نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے میزان وہ یقین ہے۔ جو لوگوں کے

کتاب و سنت میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہوتا، جیسا کہ حضرت معاذ ابن جبل رض کی حدیث میں ہے۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا۔ تو فرمایا۔ اگر تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آیا۔ تو اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے۔ حضرت معاذ نے کہا، کتاب اللہ سے آنحضرت نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ۔ کہا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا، اگر اس میں بھی نہ پاؤ۔ فرمایا اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔ اور کوتاہی نہیں کرونگا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا۔ اور فرمایا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جس نے رسول اللہ کے فرستادہ کو وہ توفیق بخشی۔ جس سے اللہ اور اللہ کا رسول راضی ہے[1]۔

اس حدیث سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی۔ کہ اجتہاد کا اسی وقت حق ہے جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صریح بات نہ ملے اور یہ اجتہاد بھی عین منشا حدیث کے مطابق تھا، حدیث کے معاملہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رح درایت کو بھی دخل دیتے تھے۔ اور حدیث کے انتخاب میں وہ بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اور بسا اوقات بعض حدیثیں انہیں (جس میں نقائص ہوا کرتے) چھوڑنا پڑتی تھیں۔ اور اسی اصول کو دوسرے آئمہ نے بھی برتا۔ اور انہیں خاص اسباب کے ماتحت امام بخاری رح نے بہت سی حدیثیں چھوڑ دیں۔ اس لئے تنہا حضرت امام ابوحنیفہ رح پر اس کا الزام نہیں دیا جا سکتا، حدیثوں کی جانچ کا حق جس طرح دوسرے آئمہ کو حاصل تھا۔ ٹھیک اسی طرح امام اعظم رح جیسے مسلم الثبوت مجتہد کو بھی حق تھا۔ پس جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں۔ ان پر عمل کیا۔ اور جو غیر صحیح تھیں۔ انہیں چھوڑ دیا۔ جیسا کہ دوسرے آئمہ نے کیا۔

---

[1] ابوداود ترمذی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہوں۔ اور دوسرے آئمہ کے نزدیک یہ کوئی لازمی شرط نہ تھی۔ جیسا کہ جامع ترمذی کتاب العلل میں موجود ہے۔ اس لئے یہ قدرتی بات تھی۔ کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ استدلال اور دوسرے آئمہ کے طریق استدلال میں فرق ہو۔ حضرت امام اعظم رح کا طریقہ استدلال یہ تھا۔ کہ وہ کسی مسئلہ میں پہلے قرآن سے دلیل لاتے۔ اگر قرآن میں اس کی بابت کچھ نہ ہوتا۔ تو حدیث سے اس طرح دلیل لاتے۔ کہ مثلاً مجھ سے حماد نے روایت کی۔ اور اُن سے ابراہیم نے اور اُن سے علقمہ نے کہ حضرت علی یا عبداللہ ابن مسعود یا حضرت عمر یا دوسرے صحابہ کا یہ خیال تھا۔ لیکن صحابہ کا یہ خیال اُن کی ذاتی رائے نہ ہوتی تھی۔ بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ وسلم کے قول یا فعل کی بنا پر وہ ایسا کرتے یا کہتے تھے۔ اور زیادہ تر حضرت امام ابوحنیفہ رح یہ فرماتے۔ کہ ابراہیم کا یہی خیال ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم نخعی وہ جلیل القدر تابعی اور محدث تھے۔ کہ صحاح و سنن میں ان کی روائتیں بکثرت ہیں۔ بلکہ امام بخاری رح تو ان کے فتاوی جابجا نقل کرتے ہیں۔ اور ان سے اپنے مذہب کی تائید کرتے ہیں۔ ابراہیم نخعی رح کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ خیال آپ معلوم کر چکے ہیں۔ کہ ان کی مرسل حدیثیں مرفوع ہوا کرتی ہیں۔ اس لئے حضرت امام ابوحنیفہ رح کا یہ کہنا کہ ابراہیم ایسا کہتے یا کرتے ہیں۔ اس کے معنی یہی تھے۔ کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہے۔ بعینہ اس کی صورت یہ ہے۔ جیسا کوئی کہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ایسا بھی ہے۔ کہ آپ نے کسی مسئلہ کی دلیل کے موقع پر مرفوع حدیثیں بھی بیان کی ہیں۔ یہ صرف اس لئے تھا۔ کہ آپ روائیت باللفظ پر بہت زور دیتے تھے۔ آئمہ کرام میں حدیثوں کی صحت، سقم کے متعلق بھی اختلاف تھا۔ ایک مجتہد کے نزدیک ایک حدیث قابل قبول تھی۔ دوسرے کے نزدیک قابل قبول نہیں تھی۔ اس لئے ہر مجتہد اپنی بصیرت اور اصُول کے ماتحت حدیثیں قبول کرتا، اور چھوڑتا تھا۔ پھر چونکہ شریعت اسلامیہ نے بعض مواقع پر اجتہاد کی اجازت دی تھی۔ اس لئے آئمہ کرام ایسے موقعوں پر اجتہاد کرتے جبکہ

اسلام کی سب سے اہم ترین کتاب ہے۔ اور امت جس حد تک بھی اس پر فخر کرے بجا ہے
اِن کی حدیثوں کے متعلق علمائے اسلام کے خیالات بہت مختلف ہیں۔ اِن میں بعضوں
کا خیال ہے۔ کہ بخاری و مسلم کی ساری حدیثیں قطعی الثبوت ہیں۔ چاہے متواتر چاہے مشہور
یا آحاد ہوں چنانچہ ابن صلاح جیسے فرزانہ محدث کا خیال بھی یہی ہے۔ لیکن امام نودی نے
اُن کے اس قول کی تردید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ محققین کے نزدیک بجز اُن حدیثوں کے
جو حد تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں۔ اور کوئی بھی قطعی الثبوت نہیں۔ بلکہ ظنی الثبوت ہیں۔ اور فیصلہ
یہ ہے۔ کہ صحیحین کی حدیثیں قابل عمل ہیں۔ وجوب عمل میں اُن کے برابر کسی کا مرتبہ نہیں
اگرچہ ساری خبر آحاد جو کسی کتاب میں موجود ہوں۔ اور محدثانہ شرائط پر پوری اترتی ہوں
قابل عمل ہیں۔ لیکن بخاری و مسلم پھر بھی مقدم رہینگی۔
کیونکہ اسکے رواۃ سب ثقہ ہیں۔ (سوا مخصوص مجروحین کے) ابن برھان الامام اور عز الدین بن
عبد السلام کا خیال بھی امام نودی کی تائید میں ہے۔ امام عز الدین فرماتے ہیں۔ کہ یہ مذہب تو معتزلہ ہے کہ
اگر اُمت نے کسی حدیث پر عمل کیا۔ تو وہ قطعی الثبوت ہو گئی۔ اور یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ خبر احاد کبھی بھی
مفید للیقین نہیں ہوتی۔ اسی طرح ارباب اصول اور متکلمین کا گروہ ہے۔ جو شیخ ابن صلاح کا ہمنوا نہیں ہے۔
صاحب المحصول نے اس مسلک کو انکی تردید کیساتھ نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ ابوہاشم کرخی اور انکے شاگرد
ابو عبد اللہ بصری کا خیال ہے۔ کہ اگر کسی خبر کے مدعا پر امت نے عملاً اجماع کر لیا۔ تو وہ خبر
قطعی الثبوت ہو جاتی ہے۔ اسکو دو طریقوں سے باطل کیا ہے۔ اولاً اس لئے کہ کسی گروہ کا کسی خبر
پر عمل کرنا یہ اس بات کی دلیل نہیں۔ کہ وہ اپنے مدعا میں قطعی الثبوت ہے۔ کیونکہ خبر احاد موجب عمل
ضرور ہے۔ اس لحاظ سے اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پس عمل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا
کہ وہ قطعی الثبوت اور یقینی ہو گئی۔ ثانیاً جب وہ صرف لائق عمل ہوئی۔ تو اس کا قطعی الثبوت
ہونا لازم نہ ہوا۔ ایک اور وجہ یہ ہے۔ کہ ممکن ہے۔ کوئی خبر لائق عمل و یقین اس لئے قرار دی گئی۔ کہ دوسرے
ادلہ بھی اِس کی تائید میں تھے۔ اسی طرح کی اور بحثیں کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ خبر
احاد موجب عمل ضرور ہے۔ موجب یقین نہیں۔ بلکہ ظنی الثبوت ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے
اس موقع پر یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ نودی کے اس قول میں کے محققین اور کثیر محدثین ابن صلاح کے

صحیح بخاری

یہ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری کی تالیف ہے۔ اور کتب ستہ مشہورہ کی سب سے صحیح کتاب ہے۔ اُمت نے اس کتاب کو جس حُسن قبولیت کا شرف بخشا۔ وہ کم ہی کسی کتاب کو نصیب ہُوا۔ ایک بڑے گروہ کا خیال ہے۔ کہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری ہے۔ اُس کی مختلف شرحیں لکھی گئیں مختلف حواشی لکھے گئے یہاں تک کہ اس کا جزو جزو اور ورق ورق لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ ثلاثیات بخاری تراجم ابواب بخاری شرح طہ بخاری نوادر لغات بخاری پر متعدد رسالے لکھے گئے جو اس کتاب کی قبولیت کی بہترین دلیلیں ہیں۔ امام نے اپنی یہ کتاب سولہ سال میں لکھی ہے لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ غسل کرتے نفل کی دو رکعتیں پڑھتے، استخارہ کرتے اس کے بعد ایک حدیث لکھتے، امام بخاری نے یوں تو بیشمار علمائے حدیث سے روایت حدیث کی۔ لیکن علی ابن المدینی، امام احمد بن حنبل، اسحاق ابن راہویہ ان کے سب سے بڑے معلمین میں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے امام کی اس تصنیف کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ یہ ایک دفعہ حسب معمول امام اہل مشرق اسحاق ابن راہویہ سے حدیث کا درس لے رہے تھے کہ اسحاق نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں اختلاط واقع ہو گیا ہے اور صحیح حدیثوں کی شناخت بہت مشکل ہو گئی ہے کاش تم ایک ایسی کتاب لکھتے جو اصح حدیثوں کی حامل ہوتی امام بخاریؒ کے دل کو یہ بات لگ گئی اور آپ نے یہ خدمت انجام دینا شروع کر دی۔ تکمیل کے بعد امام احمدؒ کے پاس پیش کیا۔ سبھوں نے اس کی تصدیق کی اور اس کتاب کو پسند کیا واللہ اعلم بالصواب۔ اس میں شک نہیں کہ امام کی یہ کتاب

وثوق میں طبقہ اولیٰ کے مماثل ہیں۔ لیکن طبقہ اولیٰ جیسی ملازمت و لحوق اُن کو حاصل نہیں۔ جیسے لیث ابن سعد، اوزاعی، نعمان ابن راشد وغیرہ کہ ان لوگوں نے مالک ابن انس ابن عینیہ وغیرہ کی طرح ہر سفر و حضر میں زہری کی صحبت نہیں اُٹھائی (طبقہ ثالثہ) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے زہری کی صحبت تو اُٹھائی۔ لیکن جرح و تعدیل کے مُقرّات سے نہ بچ سکے۔ اسی لئے زہری کی حدیثیں اُن سے لینے میں "تامل ہُوا۔ جیسے معاویہ ابن یحییٰ الصدفی اسحاق ابن یحییٰ الکلبی وغیرہ (طبقہ رابعہ) وہ ہے۔ جو اپنی قلت بضاعت یا کمی فہم کی بدولت زہری سے ایسے تفردات کرنے لگا۔ جو ثقہ اصحاب زہری سے منقول نہ تھے۔ اسی وجہ سے اِن کی رواۃوں میں بھی اشتباہ واقع ہوگیا، پانچواں طبقہ) ضعفاء و مجہولین کا ہے۔ ان کی روائتیں تو بالکل ہی ناجائز کردی گئی ہیں۔ امام بخاری رح زہری کے شاگردوں کے ان پانچ طبقات میں طبقہ اولیٰ سے اپنی روائتیں کرتے ہیں۔ اور مسلم طبقہ ثانیہ سے بھی اور ابوداؤد طبقہ ثالثہ سے بھی اور ترمذی طبقہ رابعہ سے بھی لیکن بمصالح خاصہ امام بخاری بھی کبھی طبقہ ثانیہ سے اور مسلم طبقہ ثالثہ سے اور ابوداؤد و مشاہیر طبقہ رابعہ سے روائتیں کرلیتے ہیں ۱۔

اِس لحاظ سے امام بخاری کی تخریج کی ہوئی حدیثیں زیادہ صحیح اور قابل قبول ہیں بعضوں نے صحیحین کے شرائط میں یہ بھی بیان کیا ہے۔ کہ اُن کی روائتیں صرف ایسے ہی راویوں سے ہوئی ہیں۔ جو اہل الحدیث مشہور رہتے۔ اور جنہوں نے علم حدیث با ضابطہ حاصل کیا تھا۔ مجہول راوی (اگرچہ وہ جہالت تامہ نہ رکھتے ہوں) سے نہیں لیں ہیں۔ اور اکثر اگلوں کا یہی مقولہ تھا۔ عبدالرحمٰن ابن عون کہتے ہیں۔ اُسی شخص سے علم (حدیث) لینا چاہیے۔ جس نے اُسے حاصل بھی کیا ہو۔ اور امام مالک کا مقولہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ابوالزناد کہتے ہیں۔ کہ مدینہ میں میں نے سو ثقہ اور متقی دیکھے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی سے بھی علم حدیث نہیں حاصل کیا جاتا تھا۔ لوگ کہتے تھے۔ یہ اس کے اہل نہیں۔ اس موقع پہ حافظ ابن حجر نے یہ لکھا ہے۔ کہ ظاہرا میرا خیال بھی یہی ہے۔ کہ صحیحین نے راویوں کے اندر اس خاص

مخالف ہیں مجھے کلام ہے۔ اس لئے کہ محققین کی ایک جماعت علامہ ابن اصلاح کی حامی ہے۔ وہ کہتے ہیں شافعیہ میں ابو اسحاق، ابو حامد اسفرائین، قاضی ابو الطیب، شیخ اسحاق شیرازی حنفیہ میں امام سرخسی، مالکیہ میں قاضی عبدالوہاب، حنابلہ میں ابویعلی، ابوالخطاب، ابن الزاغونی اشعریہ میں ابن فورک اور اکثر متکلمین اور اہل الحدیث ان کے ہم نوا ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ ایک جماعت ابن صلاح کی حامی اور دوسری مخالف ہے بخاری و مسلم کی شرائط تخریج میں علما کا اختلاف ہے۔ سب سے واضح اور کھلی بحث تو خود امام مسلم کے مقدمہ میں ہے۔ یعنی امام بخاری کسی راوی سے کسی حدیث لینے کی شرط یہ کرتے ہیں۔ کہ راوی کا مروی عنہ سے لقاء صحبت بھی ضروری ہے۔ صرف معاصرت کافی نہیں۔ لیکن امام مسلم صرف معاصرت کو کافی سمجھتے ہیں اور بخاری کی شرط کو اجماع محدثین کے بالکل خلاف بتاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ بخاری ایسی حدیثیں لائے ہیں جن میں راوی اور مروی عنہ کے درمیان صرف معاصرت نہیں۔ بلکہ لقاء صحبت بھی ہے۔ بخلاف مسلم کے۔ کہ وہ اپنی کتاب میں اُن لوگوں کی روائتیں بھی لائے ہیں جن میں فقط معاصرت تھی۔ لیکن بخاری اور مسلم کے شرائط تخریج صرف اسی معاصرت اور لقاء صحبت میں آکر ختم نہیں ہو جاتے بلکہ کچھ اور بھی ہیں۔ حافظ حازمی نے آئمہ حدیث کے شرائط تخریج میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں صحیحین کے شرائط تخریج بھی لکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ محدثین کی اجازت صحیحہ کی تخریج کی صورت یہ ہے۔ کہ وہ کسی محدث کے انہیں راویوں سے حدیثیں لیتے ہیں۔ جو سب سے زیادہ ثقہ سب سے زیادہ طویل الصحبت اور سب سے زیادہ ذکی و فقیہہ ہو مثلاً امام زہری کے شاگردوں کے پانچ طبقات ہیں۔ (طبقہ اولیٰ) اُن کی حدیثوں کے لینے میں پوری طرح قابل اعتماد ہے۔ اس میں مالک بن انس، ابن عیینہ، یونس، وعقیل وغیرہ رح ہیں۔ اُس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انہوں نے زہری کی صحبت سب سے زیادہ اُٹھائی۔ اور ان کی حدیثوں کا جامل ان سے بڑھ کر اور کوئی نہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ یہ لوگ عدالت و حفظ کے معاملہ میں سب سے آگے ہیں۔ (طبقہ ثانیہ) یہ وہ لوگ ہیں۔ جو عدالت

صرف صحیح ترین حدیثیں ہی بیان کی جائینگی۔ اور یہ کہ ہر طرح کی حدیثیں ہونگی۔ احکامی ہوں۔ فضائل کی ہوں۔ اخبار ماضیہ آداب ورقائق ہوں۔ یعنی جن کی سندیں باتصال تام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچیں گی۔ سب بیان کردی جائینگی۔ کیونکہ جامع کے لفظ سے پتہ لگتا ہے۔ کہ یہ کتاب ہر قسم کی احادیث کی جامع ہوگی۔ اور صحیح سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ ساری کی ساری حدیثیں صحیح ہونگی۔ مسند سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سند بالکل درست اور متصل ہوگی۔ اگرچہ اس میں آپ کا قول فعل عمل جو کچھ بھی بیان کیا جائے۔ بعض حدیثوں کی صحت پر لوگوں نے کلام کئے ہیں۔ لیکن سب کے جواب دیئے گئے ہیں۔ اور خود امام بخاریؒ کا قول ہے۔ کہ میں نے اس کتاب میں جتنی حدیثیں جمع کی ہیں۔ سب صحیح ہیں۔ لیکن کتاب میں بعض حدیثیں جو اس شرط سے بظاہر باہر نظر آتی ہیں۔ وہ عرضاً و تبعاً آگئی ہیں۔ مقصود اصلی نہیں ہیں۔ یہ اور اسی طرح کے اور مختلف بیانات کا پتہ سیوطی رح کی کتاب سے ملتا ہے۔ ان تمام بحثوں کے بعد نتیجہ یہ نکالنا پڑتا ہے۔ کہ امام بخاری نے جس زمانے میں یہ کتاب لکھی۔ اس وقت سے لے کر آج تک نفیاً و اثباتاً اس کے متعلق لوگوں نے بڑی بڑی موشگافیاں کیں۔ اس سلسلہ میں اس کتاب کے متعلق دو بحثیں اور قابل ذکر ہیں۔ سب سے پہلی بحث تو یہ ہے۔ کہ یہ معلوم ہوچکنے کے بعد کہ امام بخاری و مسلم کی کتابیں تمام کتابوں میں زیادہ قابل قبول اور صحیح ہیں۔ یہ جاننا باقی رہ جاتا ہے۔ کہ آیا صحیح حدیثوں کا حصر انہیں کے اندر ہوگیا۔ یا اور کتابیں بھی صحیح احادیث کی حامل ہیں۔ دوسرے یہ کہ بخاری اور مسلم کے متعلق، تلقی امت بالقبول کا جو قول منسوب کیا جاتا ہے اس کے کیا معنی ہیں۔ اور علما کے اس کے متعلق کیا خیالات ہیں۔

تو پہلی بحث کا جواب خود انہیں آئمہ کی زبان سے سننا چاہیئے۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔ کہ میں اپنی اس کتاب میں جو حدیثیں لایا ہوں۔ وہ تو صحیح ہیں۔ لیکن بہت سی صحیح حدیثیں میں نہیں۔ بھی لایا ہوں۔ کیونکہ مجھے اپنی کتاب کے

شرط کا لحاظ رکھا ہے۔ لیکن وہ حدیثیں جن کے طرق بہت ہیں۔ ان میں کا اگر کوئی راوی اس شرط پر پورا نہ اتر سکا تو اسکی وجہ سے یہ نہیں کہا جائیگا۔ کہ صحیحین نے اس شرط کا لحاظ نہیں رکھا۔

نیز ابن طاہر کا خیال ہے۔ کہ بخاری اور مسلم کی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی ہے۔ کہ وہ ایسے ہی راویوں سے روائتیں کرتے ہیں۔ جو سلسلہ بسلسلہ صحابی تک باجماع اُمت ثقہ و عادل، ضابط ہوں،

عراقی نے اس پر جرح کی اور دکھایا کہ بخاری اور مسلم کے بہتیرے راوی ایسے ہیں۔ جن پر نسائی نے جرح کی ہے۔ بعضوں نے اس کا جواب یہ دیا۔ کہ ہاں بخاری اور مسلم نے ان کے زمانے تک جو متفق علیہ ثقہ راوی تھے۔ اُن سے روائتیں کیں ہیں۔ بخاری مسلم کے بعد اگر ان کے ثقہ ہونے میں اختلاف واقع ہو گیا۔ تو اسکی ذمہ واری اُن پر نہیں۔ لیکن جواب کی یہ صورت اس وقت درست ہو سکتی ہے۔ جب یہ واضح ہو جائے۔ کہ معترضین نے صحیحین کے راویوں پر صرف اپنے معاصرین یا ذاتی اجتہاد سے جرح کی ہے۔ لیکن اگر بخاری اور مسلم کے قبل کے محدثین سے بخاری اور مسلم کے راویوں کی عدم توثیق دکھائی جائے۔ تو یہ دلیل نہیں چل سکتی، الا ما شاء اللہ اگر یہ کہا جائے۔ کہ ابن طاہر کے بیان کا مطلب یہ ہے۔ کہ ان اماموں نے تخریج کا اصول یہی قایم کیا ہے۔ لیکن اگر کسی ایسے راوی سے جو متفق علیہ ثقہ نہ ہو کچھ روائتیں لے آئے ہیں۔ تو وہاں اُن کے نزدیک کوئی وجہ راجح پیدا ہو گئی ہے۔

حافظ سیوطی نے توشیح میں بخاری کے شروط اور اس کتاب کے موضوع کے متعلق ایک بحث لکھی ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔ کہ بخاری کی کسی کتاب سے اُن کے شروط کا پتہ نہیں لگتا۔ اور نہ کہیں۔ اُنہوں نے صراحتاً کچھ بیان کیا ہے لیکن خود ان کی کتاب کے نام سے۔ نیز بعض دیگر قرائن سے بعض شرطوں کا پتہ لگتا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ امام نے اپنی اس کتاب کا نام "الجامع الصحیح المسند من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" رکھا ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ اس میں

لیکن اگر جواب کی یہ نوعیت قائم کی جائے۔ کہ ان حضرات کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وہ بخاری و مسلم پر بہت سی صحیح حدیثوں کے نہ لانے کا الزام قائم کر رہے ہیں۔ بلکہ بطور اظہار واقعہ یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ بہت سی صحیح حدیثیں امام بخاری و مسلم اپنی کتاب میں نہیں لائے ہیں۔ تو یہ زیادہ انسب ہوگا۔

اب آخری بحث یہ رہ جاتی ہے۔ کہ آخر امام بخاری اور مسلم نے کتنی صحیح حدیثیں چھوڑ دیں۔ ان کی تعداد کیا ہے، تو کسی خاص عدد کا تعین تو علما نے نہیں کیا۔ لیکن یہ بتایا۔ کہ بہت تھوڑی صحیح حدیثیں چھوٹ گئی ہیں۔ اور خود امام بخاری نے بھی (جیسا کہ اسماعیلی اور حازمی سے منقول ہے) یہ کہا ہے کہ میں نے تھوڑی ہی صحیح حدیثیں چھوڑی ہیں۔ لیکن نووی کا بیان ہے۔ کہ امام نے صحیح حدیثوں کا ایک معتد بہ حصہ چھوڑ دیا ہے۔ اور بعضوں کا خیال ہے۔ کہ صرف بخاری و مسلم میں تو نہیں بلکہ اصول خمسہ یا ستہ یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کے اندر ساری صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ اور انہوں نے شاید ہی کوئی صحیح حدیث چھوڑی ہو۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے۔ تو نووی کا قول اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری رح سے یہ منقول ہے۔ کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور ایک لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں۔ جن سے چن کر میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ اس لحاظ سے نہ صرف بخاری۔ بلکہ اگر صحاح کی ان چھ کتابوں کے اندر کی ساری حدیثیں دیکھی جائیں۔ تو پچاس ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتیں۔ اور ماننا پڑیگا۔ کہ بخاری رح نے بہت سی صحیح حدیثیں چھوڑ دیں ہیں۔ اور اپنی کتاب میں نہ لا سکے ہیں۔ اس کے بعد تلقی امۃ بالقبول کے معنی میں شدید اختلافات ہیں۔ ابن صلاح وغیرہ کا خیال تو یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی کتابیں باتفاق امۃ قطعی الثبوت ہیں۔ اور اسکی حدیثیں واجب العمل اور متواتر بالثبوت ہیں۔ اور یہی معنی ہیں تلقی امۃ کے اس پر بعضوں نے نفس تلقی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ اس میں بخاری و مسلم کی کیا تخصیص ہے۔ صحاح کی ساری کتابیں ایسی ہی ہیں۔ ائمہ نے ہر ایک کو حسن قبولیت بخشا ہے اور وہ ان ساری حدیثوں کو صحیح جانتی ہے۔ اور بعضوں کا اعتراض یہ ہے۔ کہ یہ قول تلقی اپنی جگہ پر بالکل

طویل ہو جانے کا خوف تھا۔ نیز امام مسلم رح پر جب لوگوں نے اِن کی اِس تصنیف کے بعد یہ عذر پیش کیا۔ کہ آپ نے بعض صحیح حدیثیں چھوڑ دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اہل غرض کے نزدیک جب کوئی حدیث پیش کیجائیگی۔ جو مسلم میں نہ ہوگی۔ تو وہ یہ کہینگے۔ کہ یہ حدیث تو اس جامع صحیح میں نہیں۔ اور نہ مانینگے۔ امام مسلم نے اس کا جواب یہ دیا۔ کہ میں نے جن حدیثوں کی تخریج کی ہے۔ وہ تو بیشک صحیح ہیں۔ لیکن جن کی تخریج نہیں کی۔ وہ سب ضعیف بھی نہیں۔ میرا مقصود تو یہ ہے۔ کہ لوگ یہ سمجھ لیں۔ کہ جو حدیثیں میں اپنی کتاب میں لایا ہوں۔ وہ بالکل صحیح اور قابل عمل ہیں اور لوگ بے چون وچرا اسے مان لیں، لیکن جو حدیثیں کہ میری کتاب میں نہیں ہیں۔ وہ ناقابل قبول بھی نہیں۔

اس معاملہ میں بخاری و مسلم پر تنقید کرنے والوں میں بیہقی، دار قطنی، ابوذر ہروی وغیرہ بھی ہیں۔ ان کا خیال ہے۔ کہ امام بخاری و مسلم رح نے بہت سی صحیح حدیثیں جو ہر طرح ان کے شرائط کے مطابق تھیں۔ اپنی کتاب میں درج نہیں کیں۔ حالانکہ اگر بغور دیکھا جائے۔ تو یہ اعتراض اپنی جگہ پر درست نہیں۔ کیونکہ ان آئمہ کے اقوال صاف بتا رہے ہیں۔ کہ وہ بہت سی صحیح حدیثیں اپنی کتاب میں نہ لا سکے ہیں۔ وہ خود تصریح کرتے ہیں۔ کہ کسی حدیث کا میری کتاب میں نہ آنا۔ اس حدیث کے غلط ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ یہی شبہ ابن حبان جیسے محدث کو بھی ہوا اور وہ بھی امام بخاری و مسلم پر یہ الزام دیتے ہیں۔ کہ وہ بہت سی صحیح حدیثیں اپنی کتاب میں نہ لائے۔

ممکن ہے۔ یہ شبہات ان حضرات کو دو وجہوں سے پیش آئے ہوں۔ پہلی تو یہ کہ بخاری و مسلم کی یہ تصریحیں ان تک نہ پہنچی ہوں۔ دیا بخاری نے چونکہ اپنی کتاب کا نام الجامع الصحیح رکھا ہے۔ اس لئے لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہو گیا ہو۔ کہ تمام صحیح حدیثیں اِس میں آگئی ہیں۔ لیکن تعجب ہے۔ کہ یہ شبہ بھی کیوں کر پیدا ہوا۔ بخاری نے نام تو الجامع الصحیح المختصر المسند من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھا ہے۔ اور مختصر کا لفظ یہ صاف بتا رہا ہے۔ کہ ساری صحیح حدیثیں اسمیں مجتمع نہیں ہیں۔

بہت مشہور ہیں۔ ابن تین، ابن بطال، عینی، فتح الباری، عینی اپنی خصوصیات میں بے مثل ہے۔ اور فتح الباری تو کیا کہنا بقول شوکانی لا ہجرۃ بعد الفتح

مختصرات بخاری یوں تو اس کے مختصرات بہت ہیں۔ لیکن مشہور کتابوں میں مختصر الامام جمال الدین احمد عمر الانصاری القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ مختصر بدر الدین حسن ابن الحلبی المسمی ارشاد الساری والقاری المتوفی ۶۸۹ھ مختصر الحسین ابن مبارک الزبیدی المتوفی ۸۹۳ھ اس کو اسانید سے مجرد رکھا ہے۔ اور نام التجرید الصریح الاحادیث الجامع الصحیح رکھا ہے۔ اسکی ایک مبسوط شرح نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی نے کی ہے۔ اور دوسری عبداللہ شرقاوی نے

رجال بخاری کے متعلق تصنیفیں

اسماء رجال البخاری للشیخ الامام احمد بن محمد الکلابادی المتوفی ۳۹۸ھ کتاب التعدیل والتجریح لابی الولید سلیمان ابن خلف الباجی المتوفی ۴۷۴ھ اور الافہام بما وقع فی البخاری من الابہام لجلال الدین عبدالرحمن ابن عمر البلقینی المتوفی ۸۲۴ھ

صحیح مسلم

اس کے مصنف امام ابوالحسن مسلم ابن حجاج القشیری ہیں۔ یہ صحاح ستہ کی دوسری کڑی ہے۔ اور عام محدثین کے نزدیک بخاری کے بعد کا مرتبہ رکھتی ہے لیکن حسین ابن علی النیسا پوری کا خیال ہے۔ کہ آسمان کے نیچے مسلم سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں ہے۔ اور اکثر مغاربہ کا بھی یہی خیال ہے۔ بعضوں نے اس کے معنی یہ لئے ہیں۔ کہ ابن علی کا یہ قول - کہ مسلم سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں ہے۔ اس کے یہ

صحیح ہی نہیں۔ کیونکہ اگر اس تلقی سے ساری اُمت کی تلقی مراد ہے۔ تو یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ ان کتابوں کے شہرت کا زمانہ زیادہ تر تیسری صدی کے بعد کا ہے۔ جو ائمہ حدیث اور اصحاب مذاہب اور بخاری رحمہ کے بعد کا زمانہ ہے۔ تو جب اجماع کے اصلی زمانے میں اسکی صحت کی تلقی کا وجود نہ ہوا۔ اور نہ یہ کہنا صحیح ہوا۔ کہ ساری اُمت نے اسکو مرتبہ قبولیت بخشا۔ چنانچہ امام داؤد ظاہری رح اور اُن کے مُتبعین کا خیال یہی ہے۔ کہ وہ اجماع جو عہد صحابہ کے بعد ہو۔ معتبر نہیں۔ اگرچہ امام غزالی نے اپنی کتاب مستصفیٰ میں اسکی تردید کی ہے۔ اور تابعین اور ان کے بعد تک جماع کو معتبر ٹھہرایا۔ لیکن مشکل یہ ہے۔ کہ بخاری و مسلم کی قبولیت کا اجماع تو تابعین کیا۔ تبع تابعین کے بھی بعد معرض ظہور میں آیا ہے۔ اگر آیا ہے۔

بعضوں نے ان جھگڑوں کو چھوڑ کر تلقی امت کے معنی یہ لئے ہیں۔ کہ بیشک صحیح ہے۔ کہ حدیث کی ساری کتابیں اس تلقی میں داخل ہیں۔ لیکن بخاری و مسلم کی حدیثوں کو اور حدیثوں پر فضیلت ہے۔ کیونکہ اس کے مصنفین اپنی جلالت شان واقفیت حدیث ورجال میں تمام دیگر مصنفین سے افضل ہیں۔ نیز اُن کی تخریج کردہ حدیثوں کے راوی دوسری کتابوں کے راویوں سے زیادہ ثقہ اور عادل ہیں۔ اور یہی معنی ہیں۔ تلقی امت کے اس حیثیت سے اُمت میں بجز بخاری و مسلم کے اور کوئی کتاب بھی مقبول نہ ہو سکی۔

بعضوں نے سرے سے اس کا انکار کر دیا۔ اور کہا بخاری و مسلم کو دیگر کتب حدیث پر کوئی فضیلت نہیں۔ اور یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ مذہب بالکل ضعیف ہے،، الغرض امام بخاری رح کی کتاب پر اسلام کے تین اصولی گروہ متکلمین، فقہا، محدثین کے اعتراضات ہیں۔ محدثین کے اعتراضات تو سند پر ہیں۔ اور متکلمین و فقہا کے متون پر لیکن بلاشبہ امت کی جس اعتنا کا شرف بخاری کو حاصل ہُوا۔ وہ حدیث کی اور کسی کتاب کو حاصل نہ ہُوا۔ اور یہ ایسا شرف ہے۔ جس سے انکار مکابرہ ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ،

بخاری کی شرحیں تقریباً چالیس بیالیس کے قریب لکھی گئیں۔ لیکن چار شرحیں

سے یہ نتیجہ نکالنا بھی درست نہیں۔ کہ وہ مسلم کو بخاری سے افضل نہیں مانتے۔ کیونکہ شاذ و نادر مسلم میں بھی اقوال سلف موجود ہیں، چنانچہ مغاربہ برابر صحیح مسلم کو معتمد علیہ مانتے رہے۔ اور مشہور محدث عبدالحق رحہ نے اپنی کتاب۔ کتاب الاحکام میں مسلم پر ہی اعتماد کیا، بخاری کی موجودگی میں مسلم پر اعتماد کرنا اور اس سے احکامی حدیثیں لینا کچھ معنی رکھتا ہے۔ اور اکثر مغاربہ نے ایسا کیا، ان کی اس رائے کی صحت و عدم صحت سے سر دست ہمیں بحث نہیں لیکن یہ بات دل کو لگتی ہے۔ کہ اگر وہ بخاری سے مسلم کو افضل نہیں۔ تو کمتر بھی نہیں سمجھتے تھے، حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے۔ کہ بخاری کو مسلم پر فضیلت ہے۔ اور منجملہ اور وجہوں کے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے۔ کہ بخاری نے راویوں کے جانچ پڑتال کے لئے جو شرائط مقرر کئے ہیں۔ وہ مسلم رحہ کے شروط سے زیادہ قابل وثوق ہیں۔ کیونکہ امام بخاری رحہ کے نزدیک صرف معاصرت کافی ہے۔ لقا کا ثبوت ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ خود امام مسلم رح نے اپنے مقدمہ میں اپنی اس شرط کا ذکر کیا ہے۔ اور امام بخاری رح پر شدید نکتہ چینی کی ہے۔ کہ وہ اپنے اس خیال میں متفرد ہیں۔ سلف میں کوئی بھی ان کی اس رائے کا حامی نہیں ہے۔ امام مسلم فرماتے ہیں۔ اس قاعدہ سے ان کا عنعنہ بھی قبول کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور اس شرط کو خرق اجماع سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور صرف راوی و مروی عنہ کی معاصرت کا لحاظ کرتے ہوئے جو روائتیں قبول کی گئی ہیں۔ ان کا ذکر کیا ہے حافظ ابن حجر اور امام نودی نے امام بخاری رحہ سے اس اعتراض کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن جوابات تشفی بخش نہیں ہیں۔ اولاً تو امام مسلم اس شرط کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔ دوسرے یہ کہ امام نودی نے اس موقع پر علی بن المدینی وغیرہ کو بخاری رح کا ہم مذہب قرار دیا ہے۔ اور صرف بخاری رحہ کے مؤیدین کے نام گنائے ہیں۔ ان تک اپنی یا دوسرے کی روائیت سے سند نہیں پیش کی دوسری طرف امام مسلم سرے سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور بالکل اجماع محدثین کے خلاف بتلاتے ہیں۔ اب اہل بصیرت خود فیصلہ کرسکتے ہیں۔ کہ امام مسلم کے

معنیٰ نہیں ہیں۔ کہ اور کوئی کتاب مُسلم جیسی صحیح نہیں۔ بلکہ یہ معنے ہیں۔ کہ مُسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔ جائز ہے۔ کہ مسلم کے برابر صحیح کوئی کتاب ہو۔ لیکن اِس معنے کے لیتے ہوئے بھی بخاری کی فضیلت نہیں ثابت ہوتی۔ کیونکہ دعویٰ تو یہ ہے کہ بخاری مُسلم سے افضل ہے۔ بعضوں نے ابو علی کے قول کے یہ معنی لیئے ہیں۔ کہ ابو علی نیشاپوری نے مُسلم کو سلاست و ندرت اسلوب کے لحاظ سے افضل کہا ہے صحت کے اعتبار سے نہیں۔ لیکن اِس تاویل کی بھی گنجائش ان کے اُس صریح قول میں نہیں ہے۔ بعضوں نے یہ تاویل کی ہے۔ کہ شاید بخاری ان تک نہ پہنچی ہو۔ لیکن یہ بہت مضحکہ خیز بات ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ بخاری بہت غیر مشہور تھی۔ اور ایک جلیل القدر محدث کو نہیں پہنچی۔ حالانکہ شیخ ابن علی بخاری کے بہت بعد ہیں۔ اور اِس وقت بخاری پوری طرح شائع ہو چکی تھی، اب رہے۔ بعض علما مغاربہ تو ان کے اقوال بھی مُسلم کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر اس کی بھی یہی تاویل کیجاتی ہے۔ کہ صحت کے لحاظ سے اُنہوں نے اِسے افضل نہیں کہا ہے۔ بلکہ سلاست بیان حُسن ترتیب کے لحاظ سے افضل کہا ہے، چنانچہ قاسم تجیبی نے فہرست میں لکھا ہے۔ کہ ابو محمد ابن حزم "بخاری" پر "مسلم" کو فضیلت دیتے ہیں۔ اس لئے کہ مسلم میں خطبہ کے بعد ہی حدیث شروع کر دیگئی ہے۔ یعنی ابن حزم بھی اِس کو اس لئے افضل مانتے ہیں۔ کہ اس میں بخاری کی طرح موقوف و مُرسل حدیثیں اور فتاوے نہیں ہیں۔ بلکہ صرف مرفوع حدیثیں ہیں۔ اِسی طرح مُسلم بن قاسم القرطبی جو دار قطنی کے معاصر ہیں۔ اُنہوں نے بھی مُسلم کے متعلق کہا ہے۔ کہ ایسی کتاب اسلام میں نہیں لکھی گئی۔ اس کی بھی توجیہہ یہی کی جاتی ہے۔ کہ اُنہوں نے سلاست و روانی حُسن ترتیب کے لحاظ سے افضل کہا ہے۔ لیکن یہ بات ضرور قابل غور ہے۔ کہ شیخ ابن علی رح اور مغاربہ کے ان اقوال میں ہر جگہ یہ تاویل چسپاں نہیں ہے۔ شیخ حسین ابن علی النیساپوری کے اس جملے سے کہ آسمان کے نیچے مسلم سے زیادہ کوئی صحیح کتاب نہیں" یہ نتیجہ کیسے نکلا۔ کہ بخاری مُسلم سے افضل ہے پھر ابن حزم کے قول

بن علی ابن الملقن الشافعی المتوفی سنہ ۸۰۴ھ چار جلدوں میں اور ابو بکر احمد بن علی الاصبہانی المتوفی سنہ ۴۲۸ھ کی ایک کتاب رجال مسلم کی تحقیق میں ہے۔ اس سے زیادہ تفصیل کے لئے کشف الظنون دیکھنا چاہیئے۔

"مستدرک حاکم"

یہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشاپوری کی کتاب ہے۔ بخاری و مسلم کے علاوہ وہ حدیثیں جو ان میں کسی وجہ سے نہ آسکی تھیں۔ اور وہ ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے شرط پر بھی تھیں۔ یا خود حاکم نے اپنے نزدیک ان کو صحیح سمجھا تھا۔ اپنی اس کتاب میں جس کا نام المستدرک علی الصحیحین رکھا، لے آئے۔ ان میں جو حدیثیں بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک کے شرط پر صحیح اتریں۔ اُسے بتادیا، اور جو اُن کے نزدیک صحیح یا سقیم ثابت ہوئیں۔ اسے بھی بتادیا۔ اگرچہ عام محدثین حاکم کی تصحیح بغیر پرکھے ہوئے صحیح نہیں قرار دیتے۔ کیونکہ حاکم بعض ایسی حدیثوں کو بھی علی شرط الشیخین کہہ گئے ہیں۔ جو واقعتاً بخاری و مسلم کے شرط پر نہ تھیں۔ ذہبی نے حاکم کی ایک تلخیص کی ہے۔ جس میں انہوں نے حاکم کی کتاب میں منکر و ضعیف حدیثوں کا ایک انبار دکھایا ہے۔ اور ایک جزء تو موضوع حدیثوں کا قرار دیا ہے۔ اور ایسی ایسی حدیثیں دکھائی ہیں۔ جن سے احتجاج درست ہی نہیں۔ لیکن حاکم جیسے جلیل القدر محدث سے اتنی غلطیوں کا صادر ہونا تعجب انگیز ہے، بعضوں نے اسکی وجہ یہ بتائی ہے کہ حاکم کی یہ کتاب ابھی مسودہ کی شکل میں تھی۔ کہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اور موت نے ان کی دلی تمناؤں کو پورا نہ ہونے دیا۔ بہر حال حاکم کی کتاب بعض محدثین کے نزدیک مناکر و موضوعات کی حامل بھی قرار دی گئی۔ اور بغیر جانچ کے ان کا لینا ناجائز قرار پایا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مقابلہ میں شیخ محی الدین نواوی کے قول کو تسلیم کیا جائے۔ یا خود ان کے، حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کی فضیلت کی دوسری وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راویوں میں، عدالت، ضبط، اتقان کا بھی بہت فرق ہے۔ کیونکہ بخاری کی پوری کتاب میں صرف اسی راوی مجروح ہیں۔ اور مسلم کے ایک سو ستر، نیز بخاری میں اور دوسرے فوائد بھی ہیں۔ مثلاً جا بجا فقہی مسائل کا استنباط، حکم و معارف کی باتیں اور مسلم میں ایسا نہیں، اگرچہ انہیں یہ بھی اعتراف ہے۔ کہ مسلم ندرت ترتیب جدت اسلوب سہولت و بیان کے لحاظ سے بخاری سے افضل ہے۔ مسلم شریف کے متعلق دیگر بحثیں بخاری شریف کی تفضیل کے سلسلہ میں آچکی ہیں۔ مسلم کی کتاب صحیح مسلم چار ہزار حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ اور مکررات ملا کر سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہیں۔

شروح مسلم

المنہاج للحافظ الامام ابی ذکریا یحیٰی بن شرف النواوی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ

شرح ابو الفرج عیسٰی بن مسعود الزواوی المتوفی ۷۴۳ھ اکمال المعلم للامام ابی عبد اللہ محمد بن خلیفہ الابی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ جس کے ضمن میں مازری، قاضی عیاض، قرطبی، نووی سب کی شرحیں آگئی ہیں۔ اور بعض نئی باتیں بھی ہیں۔

الابتہاج للشیخ احمد بن محمد الخطیب القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ اس کا نصف حصہ تقریباً آٹھ جلدوں میں ختم ہوا۔ شرح شیخ ملا علی قاری الہروی الحنفی نزیل مکۃ المکرمہ پانچ جلدوں میں۔

مختصرات مسلم

تلخیص کتاب و شرحہ لاحمد ابن عمر القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ مختصر الامام ذکی الدین عبد العظیم المنذری المتوفی ۶۵۶ھ مختصر زوائد مسلم علی البخاری سراج الدین عمر بن

استخراج کے فوائد بہت ہیں۔ ایک تو یہ کہ متن حدیث میں جو زیادتیاں ہوتی ہیں۔ اُن کا پتہ لگتا ہے۔ دُوسرے یہ کہ علو اسناد بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی روایت کا صاحب استخراج کے واسطے سے کرنا اور کسی کا اس کے ہمعصر یا شیوخ سے کرنا دونوں میں فرق ہے۔ اور بسا اوقات جب اصل معنعن ہوتی ہے۔ یا کسی راوی کا نام مبہم ہوتا ہے۔ تو استخراج میں مذکور ہو جاتا ہے۔ اور ان مستخرجات کی صحت کا حکم اسی وقت دیا جائیگا۔ جبکہ خود اصل حدیث کی سند جہاں اس نے اصل سے تعلق کی ہے۔ صحیح متصل ہو۔

سُنن ابوداؤد

سلیمان ابن اشعث السجستانی کی کتاب ہے۔ علماء حدیث میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اہل عراق، مصر، مغاربہ کے مذاہب کی حدیثیں اس میں بہت ملتی ہیں۔ اور ان کی معتمد علیہ ہے۔ اور صحاح ستہ میں داخل ہے۔ امام ابو سلیمان خطابی معالم السنن میں فرماتے ہیں۔ ابوداؤد بہترین کتابوں میں ہے۔ اور علم دین کے اندر اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قبولیت کا مرتبہ عطا فرمایا۔ اور علما دین مختلف المشارب ہونے کے باوجود اس کو حَکَم مانتے رہے۔ اور یہ ہر کے لئے بطور سند و دلیل بنی رہی۔ ابوداؤد رح فرماتے ہیں۔ میں اپنی کتاب میں ایسی کوئی حدیث بھی نہیں لایا۔ جو بالاجماع متروک ہو۔ اس کے اندر صحیح بھی ہیں اور حسن بھی، اگر کسی حدیث میں خرابی ہے۔ تو اس کو بھی میں نے بیان کر دیا ہے۔ اور جس میں سکوت کرتا ہوں۔ وہ صالح ہوتی ہے۔ لیکن مراتب صحت میں فرق ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث باقی نہیں رہ جاتی۔ جو اس میں نہ ہو اور قرآن کے بعد میں اس کتاب سے زیادہ ضروری اور کسی کتاب کو نہیں سمجھتا۔ اس کتاب کے بعد پھر کسی کتاب کے لکھنے یا پڑھنے کی ضرورت نہیں باقی رہتی

مستخرجات صحیحین

استخراج کے معنی یہ ہیں۔ کہ کسی خاص حدیث کی کتاب میں جتنی حدیثیں ہیں۔ ان کے تمام طرق اپنی سند کے ذریعہ جمع کر دئے جائیں۔ مثلاً بخاری کی حدیثوں کے جتنے طرق ہیں۔ ان کو کوئی محدث اپنی سند سے جمع کر دے۔ جس میں بخاری کے شیوخ یا شیخ کے شیخ میں جا کر متصل ہو، بعضوں نے رواۃ کی عدالت کا بھی لحاظ رکھا ہے۔ اور بعضوں نے رعایت نہیں کی۔ اور کسی ایک حدیث کے جتنے طرق بھی اُن کی اپنی سند سے نکل سکتے تھے۔ بعضوں سے اس کی روائیت کی۔

حافظوں کی ایک جماعت نے تخریجیں کی ہیں۔ جن میں زیادہ تر صحیحین کے احادیث کی تخریجیں ہیں۔ کیونکہ یہی دونوں کتابیں اس فن کی بہترین کتابیں ہیں۔ تخریج کا اطلاق کبھی ان حدیثوں پر بھی ہوتا ہے۔ جن کو آئمہ فن اپنی کتابوں میں لاتے ہیں۔ جیسے ہم ابوداؤد کی کسی حدیث کو یوں کہیں۔ کہ اس کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے۔

مُستخرجات بخاری

بخاری کے مستخرجات میں مستخرج لابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی المتوفی سنہ ۴۰۳ھ مستخرج لابی بکر احمد بن ابراہیم الاسماعیلی المتوفی سنہ ۳۷۱ھ مستخرج لابی بکر احمد بن محمد البرقانی شیخ الفقہاء والمحدثین المتوفی سنہ ۴۲۵ھ ہیں۔

مُستخرجات مُسلم

صحیح مسلم کے مستخرجات میں، تخریج احمد بن ہمدان النیسابوری المتوفی سنہ ۳۱۱ھ تخریج ابی عوانۃ الاسفرائینی المتوفی سنہ ۳۱۶ھ، تخریج ابی نصر الطوسی المتوفی سنہ ۳۴۴ھ، مسند المستخرج للحافظ ابی نعیم الاصبہانی المتوفی سنہ ۴۱۱ھ

اِس کو پسند کیا۔ اور اِن کی صحت کی سند دیدی۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں جو حدیث بھی اپنی کتاب میں لایا ہوں۔ اس پر کسی نہ کسی فقیہہ کا عمل ضرور رہا ہے اِسی وجہ سے وہ تمام قابل احتجاج حدیثیں نے آئے ہیں۔ اور ان کے نزدیک جو صحیح تھیں۔ اسے صحیح اور جو ضعیف تھیں۔ اسے ضعیف کر دیا ہے۔ اور جو حدیث جس فقیہہ کی معمول بہ تھی۔ اِس سے آگاہ کر دیا ہے۔ اور معمول ﷺ و متروک حدیثیں بھی بتا دی ہیں۔ اسی لئے ان کی کتاب بڑی فائدہ مند اور روز نفع ثابت ہوئی ہے۔ اور بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ مکررات بھی بہت تھوڑے ہیں۔ اس کی شرحیں متعدد ہیں۔

شروح و مختصرات

حافظ محمد ابن عبد اللہ الاشبیلی المعروف بابن العربی المالکی نے ایک شرح "عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی" کے نام سے کیا ہے۔ حافظ محمد ابن محمد الشافعی نے تقریباً ترمذی کے ثلث تک کی ایک شرح دس جلدوں میں کی تھی۔ لیکن تکمیل نہ کر سکے۔ اور زین الدین عبد الرحیم ابن حسین عراقی نے اس کی تکمیل کی، عبد الرحمن ابن احمد الحنبلی نے اس کی ایک شرح بیس جلدوں میں لکھی۔ جو ایام فتن میں جل کر خاکستر ہو گئی۔ نیز سیوطی، سندی،، نے بھی شرحیں کیں۔ اور اس کے زوائد علی الصحیحین کی شرح عمر ابن علی ابن الملقن نے کی۔ ایک شرح ابن سید الناس نے لکھی۔

مختصرات میں الجامع نجم الدین محمد ابن عقیل، اور مختصر الجامع لنجم الدین سلیمان ابن عبد القوی الطوفی الحنبلی ہیں۔

سُنن نسائی

یہ کتاب عبد الرحمن بن شعیب النسائی کی تصنیف ہے۔ اُنہوں نے اِس قسم کی دو سُنن لکھی تھیں اور مشہور یوں ہے۔ کہ جب سنن کبریٰ لکھی۔ تو اسے

یہ کتاب احکامی حدیثوں کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اس میں مراسیل کی کثرت ہے اور مراسیل سے احتجاج دو سو صدی تک ہوتا رہا ہے۔ امام شافعی سے قبل تمام اگلے فقہا و محدثین اس سے احتجاج کرتے تھے۔ اور ان کے مذاہب کی بنیاد زیادہ تر انہیں پر تھی۔ یہ تصریح انہوں نے اپنے اس رسالہ میں کی ہے جسے اہل مکہ (زادہا اللہ شرفاً) کے نام لکھا تھا۔

شروح و مختصرات

اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔ امام خطابی نے معالم السنن میں اس کی شرح کی ان کے علاوہ قطب الدین ابوبکر الیمنی الشافعی نے چار بڑی جلدوں میں اور ابو زرعہ احمد بن عبدالرحیم العراقی نے سات جلدوں میں صرف باب سجود السہو تک کی شرح کی، اور صحیحین سے جو زائد حدیثیں تھیں۔ اس کی شرح ابن الملقن نے کی۔ ایک شرح شہاب الدین رملی نے بھی کی ہے۔ بدرالدین عینی نے بھی ابوداؤد کی ایک شرح لکھنی شروع کی تھی۔ لیکن پایۂ تکمیل کو نہ پہونچی۔ موجودہ دور میں ہندوستان میں بھی ابوداؤد کی شرحیں لکھی گئیں۔ جن میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری مرحوم اور مولانا شمس الحق ڈیانوی مرحوم کی شرحیں بہت کار آمد ہیں۔

سُنن ابوعیسیٰ ترمذی

یہ کتاب بھی حدیث کی صحیح اور معتبر کتابوں میں ہے۔ امام نے جب اپنی یہ کتاب لکھی۔ تو پہلے اسے علماء حجاز، عراق، خراسان کے سامنے پیش کیا۔ سبھوں نے

سے خارج کیا ہے - اُن کے نزدیک صحاح میں یہی پانچ کتابیں ہیں، جو ذکر کی گئیں اور سب سے پہلے اِس خیال کے عملی جامہ پہنانے والے ابو طاہر مقدسی ہیں - اُس کے بعد حافظ عبد الغنی نے اُن کی تائید کی ہے - لیکن موطا مالک پر پھر بھی اِس لئے مقدم رکھا ہے - کہ اِس میں حدیث کی ان پانچوں کتابوں کے علاوہ جتنے زوائد ہیں - وہ موطا میں نہیں، اور ابن ماجہ کی جگہ بعضوں نے دارمی کو دی ہے - کیونکہ ضعیف روایت اور احادیث شاذہ منکرہ اِس میں بہت تھوڑے ہیں - اور بعضوں نے چھٹی کتاب موطا کو قرار دیا ہے - رزین السرقسطی مجد ابن الاثیر اسی طرف گئے ہیں -

شروح

علماء حدیث نے ابن ماجہ کی بھی متعدد شرحیں لکھی ہیں - محمد بن موسیٰ الدمیری الشافعی نے پانچ جلدوں میں اُس کی ایک شرح لکھی - لیکن تکمیل نہ کر سکے، اور ابراہیم ابن محمد الحلبی نے اس کی تکمیل کی - جلال الدین سیوطی، سندی حنفی نے بھی شرحیں کیں ابن الملقن نے کتب خمسہ کے زوائد کی شرح آٹھ جلدوں میں کی - اس کا نام ماتمس الیہ الحاجۃ علی سنن ابن ماجہ رکھا اور انجاح الحاجۃ شرح ابن ماجہ کے نام سے شاہ عبد الغنی المجددی نے ایک شرح لکھی -

صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی اور صحیح کتابیں

واضح رہے کہ کتب ستہ کے علاوہ بھی ایسی کتابیں لکھی گئیں جن پر صحیح کا اطلاق ہوتا ہے - اور وہ اسی نام سے پکاری جاتی ہیں - جن کی تفصیل یہ ہے -

صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابو عوانہ، صحیح المنتقیٰ لابن سکن، صحیح المنتقیٰ فی الاحکام لابن الجارود، صحیح المنتقیٰ فی الآثار لقاسم ابن اصبغ، محدث الاندلس وغیرہا -

امیر رملہ کے پاس ہدیہ بھیجا۔ امیر نے دیکھا اور کہلا بھیجا۔ کہ کیا اس کی سب حدیثیں صحیح ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ صحیح۔ حسن۔ اور اسی کے لگ بھگ ہیں، امیر نے کہا کہ صحیح حدیثیں ہمارے لئے چن دو۔ آپ نے اپنی سُنن صغریٰ لکھ کر اس کے پاس بھیج دی۔ اور اس کا نام مجتبیٰ رکھا۔ سنن کبریٰ ایسی حدیثوں کا مجموعہ تھی۔ جن کے راوی ضعیف، قلیل العدالہ تھے۔ لیکن سنن صغریٰ "یعنی مجتبیٰ" ایسی نہیں ہے۔ اسی لئے بعض کے نزدیک صحیحین کے بعد کا مرتبہ سنن صغریٰ للنسائی ہی کو دیا جاتا ہے۔ کیونکہ صحیحین کے بعد اس سے زیادہ صحیح اور کوئی کتاب نہیں۔ والعلم عند اللہ، سُنن نسائی جب بولی جاتی ہے۔ تو اس سے مراد امام نسائی کی یہی سنن صغریٰ (مجتبیٰ) ہوتی ہے۔

تاج الدین سبکی "ذہبی" اور اپنے والد تقی سبکی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ نسائی امام مسلم سے زیادہ احفظ ہیں۔ اور صحیحین کے بعد نسائی ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں سب سے کم ضعیف حدیثیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

شروح

اس کی ایک بہتر شرح جلال الدین سیوطی اور دوسری عبد الہادی سندی نے کی ہے۔ صحاح ستہ کی شرحوں میں ابوالحسن محمد بن عبد الہادی السندی الحنفی کی شرحیں، سیوطی کی شرحوں سے وسیع اور مفید تر ہیں۔ اور صحیح سے زائد حصہ کی شرح سراج الدین عمر بن الملقن الشافعی نے کی ہے۔ جس طرح ابوداؤد اور ترمذی کے زوائد کی شرحیں کی ہیں۔

سُنن ابن ماجہ

محدث یزید ابن ماجۃ القزوینی کی تصنیف ہے۔ بعضوں نے اسے صحاح

بھی اس کی تین یا چار حدیثوں کے لیے اصل ہونے کا قائل ہونا پڑا ہے۔

اصل یہ ہے۔ کہ گو مسند احمد کی تالیف خود امام نے کی۔ لیکن ابھی مسودہ ہی تھا۔ کہ امام نے وفات پائی۔ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ نے جو افسوس کہ اس میدان کے شہسوار نہ تھے۔ اس کی تبییض و ترتیب فرمائی۔ جس سے بعض نمایاں نقص رہ گئے۔ اور مدنی و عراقی مسند میں تخلیط ہو گئی۔ اور یہ صحیح احادیث کا التزام بھی قائم نہ رہ سکا۔ گو خود امام احمد کو اس کا دعویٰ تھا۔

شروح و مختصرات و تعالیق

مسند کی ایک شرح ابوالحسن ابن عبدالہادی السندی نے کی ہے۔ اور اس کا اختصار زین الدین عمر ابن شجاع الحلبی نے جس کا نام الدر المنتقد رکھا۔ اور ایک اختصار سراج الدین عمر بن علی المعروف بابن الملقن الشافعی نے کیا۔ اور سیوطی نے اس پر ایک تعلیق کی۔ جس کا نام عقود الزبرجد رکھا۔

ہمارے ماموں حضرت مولانا شاہ حسن میاں پھلواروی رحمۃ اللہ نے مسند کا ترجمہ الباب لکھنا شروع کیا تھا۔ جو دنیا کی عجیب چیز ہوتی۔ لیکن افسوس کہ آپ کی عمر وفا نہ کی۔ اور کام شروع ہی ہوا تھا۔ کہ پیک اجل کو لبیک کہنا پڑا۔

کتاب الام

دنیائے اسلام جن چار فقہوں پر کاربند ہے۔ ان میں ایک امام شافعی کی فقہ ہے۔ امام شافعی اپنی عظمت کے لحاظ سے جو مرتبہ رکھتے ہیں۔ اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ لیکن ان کی یہ کتاب جو ایک زمانہ تک عام نظروں سے پوشیدہ رہی ہے۔ اس کا اظہار ضروری ہے۔ امام کی یہ کتاب ان کے اجتہادی مسائل کا ایک مجموعہ ہے۔ جو ان کے شاگرد بویطی کی جمع کردہ ہے۔ لیکن اس کی

مُسندالامام احمدبن حنبل

مُسندامام احمدبن حنبل علم حدیث کی بہت اعلیٰ کتابوں میں ہے۔ اور تقریباً چالیس ہزار حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ جس میں دس ہزار مکرر ہیں۔ اور تقریباً تین سو حدیثیں ایسی ہیں۔ جو تین واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں۔ جن کو ثلاثیات کے نام کیساتھ موسوم کیا جاتا ہے مسند حدیثوں کی جانچ پڑتال کے لئے میزان ہے۔ امام احمد کی روائیت کی بنا پر اس میں کوئی ضعیف حدیث نہیں آپ فرماتے ہیں۔ میں نے ساری کی ساری حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں جمع کر دی ہیں۔ اگر حدیث اس میں نہ پاؤ اسے بے اصل سمجھو۔

لیکن نہیں کہا جا سکتا۔ کہ امام کا یہ قول کس موقع کے لئے تھا۔ یا ہم تک اس کے پہنچنے میں کتنی اُلٹ پھیر واقع ہوئی ہے۔ قرینہ یہ ہے کہ امام نے صرف یہ فرمایا ہوگا۔ اس میں جتنی حدیثیں ہیں۔ سب کی اصل ہے کیونکہ صحیحین میں بہت ایسی حدیثیں ہیں۔ جو مسند میں نہیں ملتیں۔ لیکن ان باتوں کے باوجود ہمارے سامنے جونسی مسند ہے۔ اس کے اندر بہت ضعیف حدیثیں ہیں۔ ابن جوزی نے اپنی موضوعات میں مسند کی پندرہ ایسی حدیثیں گنائیں ہیں۔ جن کو وہ موضوع تصور کرتے ہیں اور حافظ العراقی نے بھی ۹ حدیثیں ایسی بیان کی ہیں۔ جو متہم بالوضع ہیں۔ لیکن حافظ ابن حجر نے ایک رسالہ القول المسدد فی الذب عن احمد لکھ کر اس کی تردید کی ہے۔ اور اپنی کتاب تعجیل المنفعۃ برجال الاربعہ میں مسند کی تمام حدیثوں کو با اصل قرار دیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ کدو کاوش انہیں

اور علم حدیث کی موثق کتابوں میں ہے۔ یہاں اُس کے ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے۔ کہ یہ سُنن بھی اِس پایہ کی سمجھی گئی ہے۔ کہ بعضوں نے اُس کو ابن ماجہ کی جگہ دی ہے۔ اور صحاح ستہ میں داخل کیا ہے۔ اس میں ضعیف حدیثیں بہت کم ہیں۔ اگرچہ مراسیل و منقطعات بہت ہیں۔ بعض محدثین کے نزدیک ابن ماجہ کی جگہ دارمی کو دیگئی ہے۔ کیونکہ بعض اقوال کی بنا پر ابن ماجہ کی ہر وہ حدیث جو کتب خمسہ کے علاوہ ہے۔ ضعیف ہے۔ اگرچہ حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے۔ اور تقریباً ابن ماجہ کے تمام زوائد صحیح ثابت کئے ہیں۔

صحیحین کے قبل سُنن کے نام سے جو کتابیں مشہور ہوئیں

سُنن ابن جریج، سُنن لابن اسحاق (یہ ان کی سیرت کے علاوہ ہے) سُنن ابن قرۃ (یہ حافظ موسیٰ بن طارق الزبیدی ہیں) و سُنن عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ وغیرہ یہ کتابیں اپنے وجود سے سُنن کے ساتھ مشہور ہوئیں۔ اگرچہ عبدالرزاق کی کتاب مصنف کے نام سے بھی مشہور رہی،

کتب الاطراف

علم الاطراف کی تعریف پہلے کی جاچکی ہے۔ لیکن مزید اشارے کے لئے پھر بتائی جاتی ہے۔

کسی حدیث کے ایک حصّہ یا اک جزء کو بیان کرنا جس سے اس کے پورے حصّہ کا پتہ لگ جائے۔ نیز اس کے پورے اسانید بالاستیعاب یا بقید کتب خاصہ جمع کر دئے جائیں۔ اسی کا نام علم الاطراف ہے۔

سب سے پہلے دو آدمیوں نے اسکی طرف توجہ کی۔ حافظ ابراہیم ابن محمد بن عبید اللہ دمشقی المتوفی ۴۰۱ھ اور حافظ ابو محمد خلف ابن محمد الواسطی المتوفی ۴۰۱ھ

کی تبویب و ترتیب ابوالربیع ابن سلیمان المرادی نے کی۔ اور یہ انہیں کی طرف منسوب ہو گئی۔ ورنہ درحقیقت یہ بویطی کا تصنیفی نسخہ ہے۔ اور انہیں کی کاوشوں اور دیدہ ریزیوں سے عالم وجود میں آیا ہے۔ اِس کتاب سے جہاں امام شافعی کی وسعت معلومات و دقت نظر کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں علم حدیث کے بہت سے رموز بھی حل ہوتے ہیں۔ امام نے اپنی اس کتاب میں علم حدیث پر بڑی عالمانہ بحثیں کیں ہیں۔ اور مراسیل و منقطعات کے اخذ میں کیا احتیاط چاہیئے۔ اگلوں نے عدم احتیاط سے کیا نقصان اُٹھائے۔ مراسیل پر عمل کی وجہ سے کتنے مرفوعات پردہ خفا میں رہ گئے۔ اور اُن پر عمل نہ ہو سکا۔ نیز وہ حدیثیں جو صدر اول میں عام طرح پر شائع نہ تھیں۔ اور صحابہ اور اجل تابعین کے جو اقوال مُدون نہ ہو سکے۔ اور بعد میں مدون ہوئے۔ جس سے بہت سے نئے مسائل معلوم ہوئے ان چیزوں کی خوب وضاحت کی ہے۔ اور اس سے بھی بحث کی ہے کہ بعض صحیح حدیثیں علما تابعین تک نہیں پہنچیں۔ اس لئے اُنہوں نے اجتہاد سے کام لیا۔ اور اس میں غلطیاں ہوئیں۔ اور تابعین سے بعض غلطیاں اس لئے بھی ہوئیں کہ ساری حدیثیں اُن کے وقت میں اکٹھی نہ ہوئی تھیں۔ اِس لئے اِجتہادات میں خلل پڑ جاتا تھا۔ اسی طرح کے اور بہت سے مفید خیالات ہیں۔ جن سے امام نے اپنی اس کتاب کو زینت دی ہے۔ الغرض ان کے نقطہ نظر سے حدیث کے لئے جو چیزیں ضروری تھیں۔ سب کا بیان اس میں موجود ہے۔ ان خصوصیات کے لحاظ سے یہ کتاب فقہ و حدیث کی اہم کتاب میں شمار کی جاتی ہیں۔ اور اِس سے مطلع ہونا ہر اہل علم کے لئے ضروری ہے۔

سُنن دارمی

امام عبداللہ ابن عبدالرحمٰن الدارمی المتوفی ۲۵۵ھ کی تصنیف ہے۔

اس کا نام تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف ہے۔

مزی نے یہ کتاب چھبیس برسوں کی محنت شاقہ میں لکھی ہے۔ اور اس کو ہر دلعزیز اور کثیر الاستعمال ہونے کا فخر حاصل ہے۔ لیکن اس میں بھی ایسے اوہام تھے۔ جن کو ان کے بعد کے ایک مصنف ابوزرعہ احمد ابن عبدالرحیم العراقی المتوفی ۸۲۶ھ نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ لیکن یہ کتاب چونکہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس لئے حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اور حافظ محمد ابن علی ابن الحسن الحسینی المتوفی ۷۶۵ھ جن کا ذکر اوپر گذر چکا۔ ان دونوں نے اسکی تلخیص کی۔ اور ابن حجر عسقلانی نے مزی کی کتاب پر مفید شرح اور حاشیے لکھے۔ اور ان احادیث کو بھی جمع کر دیا ہے جن کو مزی نے چھوڑ دیا تھا۔ اس شرح کا نام "النکت الظراف علی الاطراف" ہے۔ اس کا ایک نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ میں ہے۔ اصل یہ ہے۔ کہ مزی نے خود بھی بہت سی احادیث جمع کی تھیں۔ جن کو کتاب میں داخل کرنے کی بجائے لواحق الاطراف کے نام سے علیحدہ جمع کیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے بھی تین کتابیں اس فن میں لکھیں ہیں

اتحاف المہرہ باطراف العشرہ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے۔ اور صحاح ستہ اور مسانید اربعہ کے اطراف پر مشتمل ہے۔ اطراف المسند المعتلی باطراف المسند الحنبلی مسند احمد ابن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ میں لوگوں کے بیان کے مطابق چالیس ہزار حدیثیں ہیں۔ اس لئے حافظ ابن حجر نے اس کے لئے علیحدہ اطراف لکھا۔ اس حصہ کو اپنی مذکورہ بالا کتاب سے علیحدہ کر دیا۔ اطراف المختارۃ المختارہ یہ حافظ محمد ابن عبدالواحد المقدسی الحنبلی المتوفی ۶۴۳ھ کی مشہور حدیث ہے۔ ابن حجر نے اس کے بھی اطراف لکھے ہیں۔ ان تمام تصنیفوں کے بعد نیز ابن حجر کی ان تین کتابوں کے ہوتے ہوئے کسی مزید تصنیف کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ مگر پھر بھی ایک بہتر تصنیف کے لئے میدان خالی تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے عبدالغنی ابن اسماعیل النابلسی المتوفی ۱۱۴۳ھ نے ایک کتاب لکھنا شروع کی انہوں نے اپنے پیشروں کی تصانیف کا مطالعہ کیا۔ اور غیر ضروری حصص کو

اِن دونوں نے صرف صحیحین (بخاری و مسلم) کے اطراف مرتب کئے۔ جن کو اطراف الصحیحین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حاجی خلیفہ کا بیان ہے۔ کہ ترتیب و صحت کے لحاظ سے مؤخر الذکر مصنف کی کتاب بہتر ہے نیز اطراف الصحیحین کے نام سے دو کتابیں اور لکھی گئی ہیں۔ جن میں سے ایک کے مصنف حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی المتوفی سنہ ۴۳۰ھ اور دوسرے کے حافظ احمد ابن علی ابن حجر العسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ ہیں۔ ابو محمد خلف کی تصنیف کے بعد دوسری مستند کتب احادیث کے اطراف کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ حافظ ابو الفضل محمد ابن طاہر ابن علی المقدسی القیصری المتوفی سنہ ۵۰۷ھ نے کتب ستہ کے اطراف مرتب کئے۔ لیکن ان کی یہ کتاب مقبول نہ ہو سکی۔ اس لئے کچھ دنوں کے بعد حافظ محمد ابن علی بن الحسن الحسینی الدمشقی المتوفی سنہ ۷۶۵ھ نے مقدسی کے کتاب کی دوبارہ ترمیم و تصحیح کی۔ پھر بھی اُس کو ہر دلعزیزی نہ حاصل ہو سکی۔ چنانچہ حافظ ابن عساکر نے صحیحین اور موطا کے علاوہ بقیہ چار کتابوں کے اطراف مرتب کئے۔ اور اپنی کتاب کا نام الاشراف علی معرفۃ الاطراف رکھا۔ لیکن مقدسی کی کتاب نہ مقبول ہونے کی وجہ ابن عساکر کے قول کے بموجب یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ اختلال ترکیبی اور اوہام کا مجموعہ تھی۔ اور حافظ محمد ابن علی ابن الحسن الحسینی الدمشقی کی نئی ترتیب و تبویب کے بعد بھی اسمیں نقائص موجود تھے۔ ابن عساکر کی کتاب تین جلدوں میں ہے۔ اور اسکی ترتیب حروف معجم پر ہے۔ اور مقدسی کے کتاب کا نام اطراف الغرائب والافراد ہے۔ حافظ ابن عساکر کی پیروی کرتے ہوئے ایک مشہور مصنف عمر ابن علی بن الملقن الانصاری المتوفی سنہ ۸۰۴ھ نے اسی قسم کی ایک الاشراف علی الاطراف لکھی۔ حافظ ابن عساکر کی تصنیف کچھ دنوں تک اس موضوع پر مستند سمجھی جاتی رہی۔ اس کے بعد حافظ یوسف بن عبد الرحمٰن المزی المتوفی سنہ ۷۴۲ھ نے ایک مبسوط کتاب صحاح ستہ ابوداؤد کی کتاب المراسیل ترمذی کی کتاب الشمائل اور نسائی کی عمل الیوم واللیلہ کے اطراف میں مرتب کی یہ کتاب اب تک مستند ہے

اس کتاب میں لائق مصنف نے بخاری کی تین مشہور شرحوں القسطلانی مطبوعہ مصر ۱۲۹۳ھ العسقلانی مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ یعنی مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۰۹ھ اور مسلم کی ایک شرح النواوی مطبوعہ مصر ۱۲۹۳ھ کے صفحات کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ مصنف نے احادیث کی ترتیب حروف تہجی کے قاعدہ پر کی ہے۔ داہنے جانب کے خانوں میں وہ بخاری اور اسکی جلد اور صفحوں کا حوالہ دیتا ہے۔ اور بیچ میں حدیث اور بائیں جانب ابواب اور ان کے عنوانات کے نمبر ہوتے ہیں۔ اس تصنیف میں ایک بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ جن مطبوعہ نسخوں کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ وہ اگر موجود نہ بھی ہوں۔ جب بھی فہیم شخص ابواب وعنوانات کے ذریعہ اس سے اچھی طرح مستفید ہو سکتا ہے۔

"چوتھی صدی ہجری کے بعد جمع وتہذیب کا دور"

لوگوں کے زبانی سنی ہوئی حدیثوں کا جمع کرنا اور رجال واسانید کی جانچ پھر ان کی حیثیت کی تعیین اور صحیح حدیث کا غیر صحیح سے تمیز کرنا یہ تو چوتھی صدی کے تمام ہوجانے کے بعد ہی منتہی ہوگیا۔ کیونکہ اجتہادی قوت لوگوں میں فنا ہوچکی تھی۔ اور تقلید کی طرف ان کا میلان بڑھ رہا تھا۔ اسی لئے اس دور کی اکثر کتابیں یا تو صرف مہذب شدہ ہوں گی۔ یا پراگندہ ومتشتت چیزیں ایک جگہ جمع نظر آئیں گی یا غرائب کی تحقیق ہوگی۔ یا حسن ترتیب اختصار" ابداع ہوگا۔ اور اس دور کا بڑا گروہ اسناد وسعاۃ کے متعلق جو کچھ بھی کہیگا۔ سب کے سب پہلوں ہی کا کہا ہوگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ پانچویں صدی سے قبل جمع تہذیب کا وجود ہی نہ تھا۔ لیکن اس کا شمار ہونے میں نہ تھا۔

"دور تہذیب کی اہم باتیں"

الجمع بین الصحیحین۔ صحیح بخاری ومسلم کی حدیثوں کو بہتوں نے جمع کیا ہے

کو ساقط کر دیا۔ ان سے نے اِس کتاب میں حروف تہجی کے اعتبار سے صرف اِس اولین راوی کا نام دیا۔ جو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہے۔ راوی کا نام دے کر اِس کے نیچے وہ تمام احادیث درج کر دیں۔ جو اُس نے بیان کیں ہیں۔ اور ان ابواب کا حوالہ بھی دیدیا۔ جن میں وہ موجودہ ہیں۔ اِس کتاب کا نام ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی اماکن الاحادیث ہے۔ یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اِس کتاب میں النابلسی نے احادیث کی سات کتابوں کے اطراف مرتب کیئے ہیں۔ یعنی صحاح ستہ اور موطا مالک اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب کے متعلق محدثین میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے ابن ماجہ کی جگہ موطا ہی کو رکھا ہے۔ اِس لئے مصنف نے دونوں کے اطراف لکھے ہیں۔ اُن نے اِن تمام احادیث کے لیئے حروف واشارات بھی وضع کیئے ہیں بخاری خ مسلم کے لئے م ابوداؤد کیلئے د ترمذی کے لئے ت ابن ماجہ کیلئے ہ موطا کے لئے ط نسائی کے لئے س۔ النابلسی نے اپنی کتاب کو سات بابوں میں تقسیم کیا ہے جن میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ باعتبار حروف تہجی درج ہیں۔

النابلسی کی کتاب نے ان تمام مشکلات کو جن سے اگلے محدثین کو دوچار ہونا پڑا تھا۔ بڑی حدتک کم کر دیا ہے۔ لیکن ان کی کتاب کے ذریعہ کسی حدیث کے نکالنے میں اِس کے اولین راوی کی واقفیت ضروری ہے۔ اِس لئے اس سے استفادہ ذرا دشوار تھا۔ ان مشکلات کو پیش نظر رکھ کر ایک بہت جدید مصنف محمد شریف بن مصطفی التوقادی نے دو کتابیں اِس موضوع پر لکھی ہیں۔ ان کتابوں میں سے ایک بخاری کے متعلق ہے۔ جو سنہ ۱۲۹۲ھ میں مصر میں شائع ہو چکی ہے۔ اور دوسری مسلم کے متعلق یہ بھی مصر میں سنہ ۱۲۹۰ھ میں چھپ گئی ہے۔ اول الذکر تصنیف کا نام مفتاح صحیح البخاری اور دوسری کا مفتاح صحیح مسلم ہے۔ اور مصنف نے آخری مرتبہ ان دونوں کو مفتاح الصحیحین کے نام سے مرتب کیا۔ اور سنہ ۱۳۱۳ھ میں قسطنطنیہ سے شائع کیا۔

جن میں محمد بن حسین المرزوی المتوفی سنہ ۶۲ھ ہبۃ اللہ ابن عبدالرحیم الحموی المتوفی سنہ ۸۱ھ عبدالرحمٰن ابن علی المعروف بابن الدیبع الشیبانی الزبیدی وغیرہ ہیں۔ سنہ ۹۴۴ھ یہ مختصرات میں سب سے بہتر مختصر ہے۔ مصر میں چھپ گئی ہے۔ تین جزؤں میں ہے۔ پھر ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز بادی المتوفی سنہ ۸۱۷ھ نے ایک زوائد لکھی ہے۔ جس کا نام تسہیل الوصول الی الاحادیث الزائدہ علی جامع الاصول رکھا ہے۔

عام جوامع حدیث

ان میں جامع المسانید والالقاب لابی الفرج عبدالرحمٰن ابن علی الجوزی ہے۔ اس کے اندر صحیحین مسند احمد ترمذی کو جمع کیا ہے۔ لیکن اس کی پوری ترکیب و ترتیب احمد بن عبداللہ المکی المتوفی سنہ ۶۹۴ھ نے کی ہے۔ اور جامع المسانید والسنن الہادی لاقوم سنن حافظ اسماعیل عمر القرشی الدمشقی المعروف بابن کثیر المتوفی سنہ ۷۷۴ھ نے کی ہے صحیحین سنن نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند میں سے مسند احمد، بزار، ابویعلی، معجم کبیر طبرانی وغیرہ کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ اور مجمع الزوائد للحافظ ابی الحسن علی الہیثمی المتوفی سنہ ۸۰۷ھ مسند احمد ابویعلی بزار معاجم الطبرانی الثلاثۃ کے زوائد اس میں جمع کر دئے ہیں، اس کی آٹھ جلدیں ہیں اور غالباً یہ چھپ بھی گئی ہے۔

مصابیح السنۃ للامام حسین ابن مسعود البغوی المتوفی سنہ ۵۱۶ھ ۴۴۸۴ صحیح اور حسن حدیثیں اس میں جمع کر دیں۔ اور صحاح سے ان کی مراد وہ حدیثیں ہیں جن کی شیخین نے تخریج کی ہے۔ اور حسان سے وہ جن کی ابوداؤد ترمذی وغیرہ نے تخریج کی ہے۔ اور جو غریب یا ضعیف حدیثیں ہوتی ہیں۔ ان کو بیان کر دیتے ہیں اور منکر اور موضوع حدیثیں نہیں لاتے۔ علماء نے اس کتاب کے ساتھ بھی بہت کافی اعتنا کی۔ اور بہت سی شرحیں لکھیں۔ اس کی تکمیل محمد ابن عبداللہ الخطیب

جن میں محمد بن عبداللہ الجوزقی المتوفی سنہ ۳۸۸ھ اسماعیل ابن احمد المعروف بابن الفراط المتوفی سنہ ۴۱۴ھ محمد بن ابی نصر الحمیدی الاندلسی المتوفی سنہ ۴۸۸ھ ہیں۔ انہوں نے بعض ایسی زیادتیاں بھی کردیں۔ جو ان میں نہ تھیں، حسین بن مسعود البغوی المتوفی سنہ ۵۱۶ھ محمد بن عبدالحق الاشبیلی، المتوفی سنہ ۵۸۲ھ احمد بن محمد القرطبی المعروف بابن ابی حجۃ المتوفی سنہ ۶۴۲ھ وغیرہ ہیں۔

"الجمع بین الکتب الستۃ"

ان کے درمیان جمع کا کام عبدالحق ابن عبدالرحمٰن الاشبیلی المعروف بابن الخراط المتوفی سنہ ۵۸۲ھ اور قطب الدین محمد بن علاء الدین المکی المتوفی سنہ ۹۹۰ھ نے کیا۔ ان کی کتاب خوبی کے ساتھ مہذب و مرتب کی گئی ہیں۔ اور ابوالحسین زرین ابن معاویۃ العبدری السرقسطی نے اپنی کتاب تجرید الصحاح میں کتب ستہ کو جمع کیا۔ لیکن اسکی ترتیب و تہذیب اچھی نہ کر سکے۔ اور بعض حدیثیں چھوڑ دیں۔ لیکن جب ابوالسعادات مبارک ابن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری الشافعی کا زمانہ آیا۔ تو انہوں نے اپنی کتاب کی تدوین کی۔ اس کے ابواب مرتب کیئے۔ اور جو اصول رزین کی کتاب سے ساقط تھے۔ ان کا اضافہ کیا۔ اور غریب لغتوں کی شرح مشکل اعراب کا بیان اور پوشیدہ مطالب کو جگہ دی۔ اسناد حذف کر دیئے۔ اور انہیں راویوں سے حدیث کی ابتدا کی جو صحابی یا تابعین سے روائیت کرتے ہیں۔ اور کہیں اقوال تابعین و آئمہ بھی ذکر کر دیئے۔ اس کی ترتیب حروف معجم کے فائدہ پر کی۔ اس کا نام جامع الاصول لاحادیث الرسول رکھا۔ ان تمام خوبیوں کے سبب گویا انہوں نے اس کتاب کو ایک بہترین کتاب بنایا۔ اور جو چیزیں ہمارے لئے دور تھیں۔ وہ قریب اور مشکل تھیں، اور وہ آسان ہوگئیں۔ یہ ایک بے نظیر کتاب ہے۔ اب تک کسی نے بھی اس انداز کی کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اس جامع کا اختصار بھی بہتوں نے کیا۔

احادیث احکام کی جامع کتابیں

اُن میں پہلی الالمام فی احادیث الاحکام لابن دقیق العید ہے۔ اس میں متونِ احکام جمع کئے ہیں۔ اور پھر اس کی شرح کی ہے۔ لیکن شرح کی تکمیل نہ کر سکے۔ مشہور ہے۔ کہ اس فن میں اس سے بہتر اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

دوسری دلائل الاحکام من احادیث النبی لابن شداد الحلبی ان احادیث سے بحث کی ہے جن سے فروعی احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ اس کی دو جلدیں ہیں۔

تیسری منتقی الاخبار فی الاحکام للحافظ مجد الدین ابو البرکات عبد السلام ابن عبد اللہ ابن ابو القاسم الحرانی المعروف بابن تیمیہ الحنبلی۔ بخاری مسلم مسند الامام احمد۔ جامع ابی عیسیٰ الترمذی سنن نسائی۔ ابو داؤد ابن ماجۃ وغیرہ سے اس میں احکام کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ اور جن کتابوں سے حدیثیں لی ہیں۔ اُن کا حوالہ دے دیا ہے۔ اس کی شرح شیخ شوکانی قاضی یمن المتوفی ۱۲۵۰ھ نے کی ہے۔ جس کی آٹھ جلدیں ہیں۔ اور نام نیل الاوطار ہے۔

چوتھی بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام حافظ احمد بن علی ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ اس کی ایک شرح نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپال نے کی ہے۔ جس کی دو جلدیں ہیں۔ اس کتاب میں ایک ہزار چار سو احکامی حدیثیں ہیں۔ اور یہ ایک بڑے مرتبہ کی کتاب ہے۔ اور اس پر ایک حاشیہ مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کا بھی ہے۔ بلوغ المرام کی ایک شرح سُبل السلام للامیر اسمٰعیل الیمانی بھی ہے۔

کے ہاتھوں ہوئی۔ اُس کے ابواب ترتیب دیئے۔ اور جن صحابہ سے حدیثیں تھیں۔ اُن کے نام بتائے۔ اور جن کتابوں سے حدیثیں لی تھیں۔ ان کو ظاہر کیا اور ہر صحیح اور حسن بابوں کے بعد ایک تیسری فصل کا اضافہ کیا، اور یہ کام سنہ ۷۳۸ھ میں وجود میں آیا۔ اس حیثیت سے یہ ایک بہتر کتاب ثابت ہوئی۔ اس کا نام مشکوٰۃ المصابیح رکھا۔ اس کی شرحیں بہتوں نے کیں ہیں۔

جمع الجوامع فی الحدیث لعبد الرحمٰن ابن ابی بکر السیوطی ہے۔ کتب ستہ اور اس کے علاوہ بعض دیگر کتب کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ اِس کتاب سے ان کا مقصود تمام احادیث نبوی کا ایک کتاب میں جمع کر دینا ہے۔ مناوی کہتے ہیں۔ کہ جلال الدین سیوطی اس کی تکمیل سے پہلے ہی فوت کر گئے۔ لیکن یہ کتاب جہاں صحیح احادیث کا خزانہ کہی جا سکتی ہے۔ وہاں بہت سی ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کا بھی مجموعہ ہے۔ اس کی نئی ترتیب علاء الدین علی ابن حسام الہندی المتوفی بمکہ سنہ ۹۸۵ھ نے اپنی کتاب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال میں کی ہے۔ اور خود سیوطی نے اس کا اختصار اپنی کتاب جامع صغیر اور زوائد میں کیا ہے۔

اور اتحاف الخیرہ بزوائد المسانید العشرہ لاحمد بن ابی بکر البوصیری المتوفی سنہ ۸۴۰ھ جس میں ابوداؤد طیاسی کی مسند اور حمیدی، مسدد، ابن ابی عمر، اسحاق ابن راھویہ، ابن ابی شیبہ، احمد بن منیع، عبد ابن حمید، حارث ابن محمد بن ابی اسامہ، ابویعلی الموصلی کی مسانید کے زوائد جمع کئے۔ یعنی صحاح ستہ کے علاوہ ان دسوں کتابوں کے اندر اور جتنی حدیثیں تھیں۔ سبھوں کو جمع کر دیا۔ اور اس کی سو جلدیں ہوئیں۔

میں آئیں۔ اور یہ سلسلہ کچھ اس طرح بڑھا۔ کہ ہر محدث اپنی اپنی مسندیں الگ لکھنے لگا۔ اور کثرت کا یہ حال کے حدیث کی کتابیں اونٹوں پہ لاد کر ادھر ادھر لے جائی جانے لگیں۔ اور امالی و مسودات کو چھوڑ کر مسانید و مصنفات کی اتنی جلدیں نظر آنے لگیں۔ جو شمار سے باہر ثابت ہوئیں۔ یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔ کہ ان کے اندر رطب و یابس کی تمیز کیونکر ہوئی۔ اور ان کے مابہ الامتیاز کا پتہ کیونکر لگا۔ دنیا میں جس طرح ہر رطب و یابس ہر جید و ردی ہر بہتر و غیر بہتر اعلیٰ و ادنیٰ میں تفریق کر لی جاتی ہے۔ اسی طرح ان میں بھی کی گئی۔ مختلف دوروں میں مختلف ناقدین حدیث و ماہرین فن نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے ان حدیثوں میں مابہ الامتیاز کا پتہ لگایا۔ اور بعض کو بعض پہ مقدم کیا۔ اور مختلف طبقات قائم کئے۔ جن میں کہ بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

ذہبی نے اپنی کتاب سیر النبلاء میں ابن حزم ظاہری کا ترجمہ لکھتے ہوئے ان کی وہ ترتیب بھی بیان کی ہے۔ جو انہوں نے کتب حدیث کے اندر قائم کی ہے لکھتے ہیں۔ کہ ابن حزم سے کسی نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا۔ کہ حدیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ تعظیم کے لائق موطا مالک ہے۔ ابن حزم نے جواب دیا۔ نہیں سب سے زیادہ تعظیم کے لائق بخاری مسلم، صحیح ابن سکن، منتقی لابن الجارود، منتقی لقاسم ابن اصبغ ہیں۔ ان کے بعد ابوداؤد کتاب النسائی۔ کتاب قاسم ابن اصبغ، مصنف ابوجعفر الطحاوی ذہبی کہتے ہیں۔ کہ سنن ابن ماجہ اور ترمذی کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ انہیں دیکھا ہی نہ تھا۔ اور یہ کتابیں اندلس میں ان کی وفات کے بعد پہنچیں مسند بزار، مسند ابن ابی شیبہ، مسند احمد بن حنبل، مسند اسحاق، مسند طیالسی مسند حسن ابن سفیان، مسند ابن سنجر، مسند عبد اللہ ابن محمد المسندی، مسند یعقوب ابن شیبہ، مسند علی ابن المدینی۔ مسند ابن ابی عزرہ۔ اور وہ کتابیں جو انہیں کے مثل صرف حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حامل ہیں، پھر وہ کتابیں جن میں آنحضرت کے کلام کے ساتھ صحابہ و تابعین کے کلام بھی ہیں۔ جیسے مصنف عبدالرزاق،

دوسری نادر کتابیں

حدیث کی نفیس ترین کتابوں میں (المختارہ) محمد بن عبدالواحد المقدسی المتوفی ۶۴۳ھ ہے۔ اس کتاب میں صحیح حدیثیں جمع کرنے کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اور ایسی صحیح حدیثیں بھی بیان کی ہیں۔ جن کی تصحیح اب تک نہ ہو سکی تھی۔ بعضوں نے اس کو مستدرک حاکم پر فضیلت دی ہے۔ اور انہیں میں سنن کبیر وصغیر لاحمد بن حسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ لوگوں کا خیال ہے۔ کہ اسلام میں اب تک اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔ ابن صلاح کا خیال ہے۔ کہ علم حدیث کی کوئی کتاب جس نے دلائل سے بھی بحث کی ہو۔ بجز بیہقی کی سنن کبریٰ کے اور کوئی نہیں، اور اقطار عالم میں شائد ہی کوئی ایسی حدیث باقی رہی ہو جس کو وہ اپنی کتاب میں نہ لائے ہوں۔

اور اسی فن میں بحر الاسانید امام حافظ حسن بن احمد السمرقندی المتوفی ۴۹۱ھ کی کتاب ہے۔ ایک لاکھ حدیثیں ترتیب و تہذیب کے ساتھ اس میں جمع کر دیں ہیں۔ اور یہ بھی بے نظیر کتاب ہے۔

اور اسی فن کی ایک کتاب الترغیب والترہیب للمنذری ہے۔ اس کتاب کا اسلوب بیان ہی نرالا ہے۔ کیا بہتر ہوتا۔ کہ حدیث کی ساری کتابیں اسی اسلوب پر ہوتیں۔ یہ چھپ بھی گئی ہے۔

مراتب کتب حدیث باعتبار صحت

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ علم حدیث کی کتابت میں ابتداءً کیسا اختلاف رہا۔ اور پھر یہ علم کتابی شکل میں کیونکر آیا۔ کہ ابن جریج اور امام مالک کی مختصر کتابوں کے بعد بخاری و مسلم مسند احمد بن حنبل جیسی ضخیم جلدیں بھی عالم وجود

اِن کے ساتھ اعتناء کی بنا اور لوگوں میں وہ کتابیں مشہور ہوئیں۔ جیسے ابو داؤد مجتبی نسائی، جامع ترمذی وغیرہ اور رزین ابن معاویہ العبدری السرقسطی نے تجرید صحاح میں اور ابن اثیر نے نہایہ میں ان کتابوں کی حدیثوں کے ساتھ ویسی ہی اعتناء کی ہے۔ جیسے طبقہ اولیٰ کی حدیثوں کے ساتھ اور غالباً مسند احمد ابن حنبل بھی اسی دوسرے طبقہ میں ہے، اور طبقہ ثالثہ میں وہ مسانید و جوامع و مؤلفات ہیں۔ جو بخاری، مسلم سے قبل، کچھ ان کے زمانوں میں اور کچھ ان کے بعد لکھی گئی ہیں۔ جو صحیح، حسن، ضعیف، معروف، منکر، غریب، شاذ، خطا، صواب، ثابت، مقلوب روایتوں پر مشتمل ہیں۔ اور علماء میں اس شہرت کو نہیں پہنچیں۔ جس کو طبقہ اولی اور ثانیہ پہونچا۔ اگرچہ پوشیدگی نام سے منظر عام پر آگئیں۔ لیکن نہ تو فقہا نے ان کے مفردات کے ساتھ اتنی اعتنا کی۔ اور نہ محدثین نے ہی ان کی صحیح اور سقیم حدیثوں کی چھان بین کی۔ اور انہیں کتابوں میں بعض تو ایسی ہیں۔ جن کے غرائب کی نہ لغوی تحقیق و تشریح ہوئی۔ اور نہ کسی محدث نے اس کے مشکلات اور نہ کسی مؤرخ نے اُس کے اسماء رجال بیان کئے۔ اور نہ ہی کسی فقیہ نے اُن کے مذاہب سلف کے ساتھ مطابق کرنے کی کوشش کی۔ میں متاخرین متعمقین کو نہیں مراد لیتا۔ میرا کلام تو اگلے محدثین میں ہے۔ الغرض وہ اپنی اسی پوشیدگی اور گمنامی پر باقی رہیں گی۔ جیسے مسند ابو یعلی، مسند عبد الرزاق، مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ، مسند عبد ابن حمید، مسند طیالسی، کتب البیہقی، طحاوی، طبرانی، ان کا مقصود صرف ان تمام حدیثوں کا جمع کر دینا تھا۔ جو انہوں نے پائی تھیں، ان تہذیب و تلخیص مراد نہ تھی۔ اور نہ ان کو عمل کے قریب تر کرنا تھا۔ اور چوتھا طبقہ ان کتابوں پر مشتمل ہے۔ جن کے مصنفین نے بہت دنوں کے بعد ان حدیثوں کو جمع کر دیا۔ جو طبقہ اول اور طبقہ ثانیہ میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ بلکہ مختلف مسندوں اور مجموعوں کے اندر تھیں۔ اور وہ اُن لوگوں کی حدیثیں تھیں۔ جن کی حدیثیں قابل قبول نہ تھیں۔ جیسے موتہہ پھٹ۔ واعظ، نفس پرست عالم اور ضعیف

مصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ، مصنف بقی بن مخلد، کتاب محمد ابن نصر المروزی، کتاب المنذر الاصغر والاکبر اس کے بعد مصنف حماد ابن سلمہ، موطا مالک ابن انس، موطا ابن ابی ذئب، موطا ابن وہب مصنف وکیع، مصنف محمد ابن یوسف الفریابی مصنف سعید ابن منصور، مسائل احمد، فقہ ابی ثور، فقہ ابی عبید، ذہبی کہتے ہیں ابن حزم نے انصاف نہیں کیا۔ موطا کا رتبہ تو یہ تھا۔ کہ صحیحین کے بعد ابوداود ونسائی کے ساتھ اس کا ذکر ہوتا۔ ہاں ابن حزم نے ادب کیا۔ اور خالص مسندات نبویہ کو سبھوں پہ مقدم کیا۔ بیشک "موطا کے لئے دلوں میں عظمت ہے۔ اور قلوب اس کی ہیبت سے لرزاں ہیں" انتہی کلام الذہبی اس ترتیب سے ابن حزم کے خیالات معلوم ہوگئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حدیث کا یہ نادر ذخیرہ جس حد تک ان کے وقت میں موجود تھا۔ آج اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ نہیں معلوم ان کے قبل کے محدثین نے طبقات حدیث کیونکر قایم کئے تھے۔ اور ان کے نزدیک کتب حدیث کی کیا ترتیب تھی؟ ابن حزم کی اس ترتیب سے یہ معلوم ہوا۔ کہ بخاری ومسلم آج اور آج سے پہلے بھی حدیث کی صف اول ہی میں شمار کیجاتی تھیں لیکن اس کے ساتھ کچھ اور کتابیں بھی اسی پایۂ کی تھیں۔ اور ان کا مرتبہ بھی ان کے برابر ہی تھا۔ لیکن زمانہ کے انقلاب نے جب ساری کتابیں میٹ دیں۔ تو ہم نے اپنے اس دور کی ہی بقیہ کتابوں کو ایک دوسرے پر افضل قرار دے لیا شاہ ولی اللہ صاحب محدث نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے اندر بھی طبقات حدیث قایم کئے ہیں۔ میں اپنے دعویٰ کی دلیل میں اسے بھی پیش کرتا ہوں۔

کتب حدیث کے چار طبقے ہیں۔ طبقہ اولیٰ استقرا کے بعد تین کتابوں موطا مالک، بخاری، مسلم میں منحصر ہے۔ طبقہ ثانیہ میں وہ کتابیں ہیں۔ جو موطا اور صحیحین کے مرتبہ کو نہیں پہنچیں۔ لیکن وہ ان کے بعد کا درجہ رکھتی ہیں۔ کیونکہ ان کے مصنفین عدالت، وثوق۔ تبحر فی الحدیث میں مشہور تھے۔ اور اس میں کچھ تساہل بھی نہیں کیا تھا۔ اور ان کے بعد والوں نے اس کو قبول کیا۔ اور فقہا محدثین نے

درجہ ثانیہ میں رکھتے ہیں۔ لیکن شاہ ولی اللہ صاحب استقرا کے بعد صرف انہیں تین کتابوں کو درجہ اولیٰ کا شرف بخشتے ہیں۔ اور طحاوی کو درجہ ثالثہ میں رکھتے ہیں۔ دوسری طرف عام محدثین بھی موطا کی اس فضیلت کے قائل نہیں۔ وہ تو صحیحین کے بعد ابوداؤد اور ترمذی کے ہم پلہ رکھنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی ذہبی نے ابن حزم کے ترجمہ میں کہا۔ ما انصف ابن حزم ان رتبۃ الموطا تلو الصحیحین اور امام شافعی کے اس قول "کہ آسمان کے نیچے مالک کی کتاب سے بڑھ کر کوئی دوسری کتاب نہیں"، کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں۔ ہمارے اس قول کی تصدیق سب سے پہلے موطا کے نسخوں کے معلوم کر لینے کی داعی ہے جس کے بعد یہ فیصلہ آسان ہو جائیگا۔ کہ موطا کا جو نسخہ سب سے زیادہ صحیح اور افضل قرار دیا گیا ہے۔ وہ کہاں تک قابل یقین ہے۔ قاضی عیاض کی روائیت کی بنا پر موطا کے بیس نسخے ہیں۔ اور بعضوں کے نزدیک تیس۔ لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب محدث نے بستان المحدثین میں موطا کے سولہ نسخے گنائے ہیں۔ موطا یحییٰ بن یحییٰ المصمودی، موطا ابن ذہب، موطا ابن بکیر، موطا ابن ابی مصعب، موطا ابن القاسم، موطا ابن معن ابن عیسیٰ، موطا القعنبی، موطا عبداللہ ابن یوسف الدمشقی، موطا ابن عفیر، موطا مصعب بن عبداللہ، موطا محمد بن مبارک الصوری، موطا سلیمان بن برد، موطا ابی خذافۃ السہمی، موطا سوید ابن سعید، موطا محمد ابن حسن الشیبانی، موطا ابو مصعب الزہری، موطا یحییٰ بن یحییٰ التیمی، یہ اتنے نسخے ہیں۔ اور ان میں سے تقریباً ہر ایک کے متعلق علماء کی مختلف رائیں ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے تو موطا بروایۃ المصمودی ہی کو اثبت الموطا قرار دیکر حدیث کی صف اول میں داخل کر دیا ہے۔ لیکن دوسری طرف کبار محدثین ہیں جو موطا کی مختلف روائیتوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں۔ یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، امام نسائی نے موطا قعنبی اور تینسی کو اثبت الموطا قرار دیا۔ ابو حاتم نے موطا معن ابن عیسیٰ کو، امام احمد نے موطا بروایۃ عبدالرحمٰن بن مہدی کو، بخاری نے بھی تینسی کو، مسلم نے یحییٰ ابن یحییٰ التیمی کو

جماعتیں، یا وہ آثار صحابہ و تابعین تھے۔ یا حکماء و واعظین کے کلام تھے۔ جن کو راویوں نے سہواً یا قصداً آنحضرت کی حدیث کے ساتھ مخلط کر دیا تھا۔ یا وہ مجملات قرآن و محتملات حدیث صحیحہ تھے۔ جن کی بالمعنی روایت ایک صالح جماعت نے کی تھی۔ جو راویوں کی پیچیدگیوں سے واقف نہ تھی۔ راویوں نے ان معانی کو احادیث مشہورہ بنا دیا۔ یا وہ کتاب سے اشارتاً سمجھے گئے تھے۔ اس کو عمداً حدیث مستقل بذاتہٖ بنا دیا۔ یا مختلف حدیثوں کے مختلف جملے تھے۔ اس کو ایک سلسلہ کی مستقل ایک حدیث بنادی۔ ایسی حدیثوں کا مجموعہ ابن حبان کی کتاب الضعفا ابن عدی کی کامل، اور خطیب، ابو نعیم، جوزقانی، ابن عساکر ابن النجار دیلمی کی کتابیں ہیں۔ اور غالباً مسند خوارزمی بھی اسی طبقہ سے ہے۔ الغرض اس طبقہ کی بہترین حدیثیں وہ ہیں۔ جو ضعیف محتمل ہوں۔ اور بدترین وہ ہیں جو موضوع یا مقلوب شدید الانکار ہوں۔ اور یہی طبقہ ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات کا ماخذ ہے۔ بہرحال طبقہ اولیٰ اور ثانیہ پر محدثین کا اعتماد ہے۔ اور طبقہ ثالثہ پر عمل اور فتویٰ کی جرأت سوا کاملین فن جو اسماء رجال وعلل الحدیث سے واقف ہیں۔ اور کسی کو نہ کرنا چاہئے۔ وَقَدْ جَعَلَ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ اور طبقہ رابعہ کی تمام حدیثوں کے ساتھ اشتغال یا اس سے کسی مسئلہ کا استنباط متاخرین کی ایک اپچ اور غلو ہے۔ اگر تم انصاف سے دیکھو۔ تو تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ روافض اور ان کے علاوہ دیگر مبتدعین ان احادیث سے کس ادنیٰ توجہ کے ساتھ اپنے مذاہب کی دلیلیں چن لیتے ہیں۔ پس ان کتابوں کے ذریعہ عالم بالحدیث کی جماعت میں کامیابی حاصل کرنا صحیح نہیں۔ ان دو عالموں کی تحقیقوں کے بعد ذرا ان کے خیالات کا تفاوت ملاحظہ کیجئے۔ ابن حزم موطا کو چوتھے درجہ پر رکھتے ہیں۔ اور اسکو فضیلت کا وہ مرتبہ نہیں دیتے جو دوسری کتابوں کو دیا ہے لیکن شاہ صاحب موطا کو حدیث کی صف اول میں داخل کرتے ہیں۔ اور اصح الکتب بلکہ کتاب اللہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ابن حزم بخاری اور مسلم کے ہم پلہ حدیث کی بعض اور کتابیں بھی قرار دیتے ہیں۔ اور طحاوی کو

ان کے بعد ایسی کتابیں بھی دُنیا کے سامنے آچکی تھیں۔ جو تمام بلاد اسلام میں پھیلی ہوئی صحیح احادیث کی جامع تھیں۔ اس لیئے ان کو فوقیت دی گئی۔ اور ان کا مرتبہ ان کے بعد کا رہا۔ الغرض بخاری و مسلم کے بعد ان کے علاوہ کسی اور کتاب کو حدیث کی صف اول میں قرار دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہی دو کتابیں ایسی ہیں۔ جو اس معیار پر صحیح اترتی ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ بخاری و مسلم کے علاوہ حدیث کی ساری کتابیں ضعیف روائیتوں کا مجموعہ ہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جو معیار فضیلت ہے۔ اس پر یہ دونوں بدرجہ اتم اترتی ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ موطا بروائیت المصمودی کے ساتھ اعتنا زیادہ کی گئی۔ اور سب سے پہلے مالکیہ نے اس کی طرف توجہ کی۔ اور وہ سارے اقوال میں نے موطا مالک کے ضمن میں اوپر بیان کر دیئے ہیں موطا بروایۃ یحییٰ المصمودی کی شرحوں اور مختصرات کا ذکر تو پہلے ہو چکا۔ لیکن موطا بروایۃ محمد کا ذکر باقی ہے۔ موطا کے اتنے نسخوں میں میرے علم کے مطابق دو ہی موطا ایسی ہیں۔ جن کی شرحیں، مختصرات، و تلخیصات کئے گئے ہیں۔ موطا مالک بروایت یحییٰ و موطا محمد۔ موطا محمد کی شرحیں علامہ ابراہیم معروف بہ بیری زادہ، ملا علی قاری مولانا عبد الحی فرنگی محلی نے کی ہیں۔ اور مولانا نے اپنی شرح یا حاشیہ کا نام التعلیق المجدر کھا ہے۔

علم حدیث ایک دُوسری تاریخی حیثیت میں

یہ تمام تفصیلیں تو علم حدیث کی تدوین و تصنیف کے سلسلہ کی تھیں۔ اور اب تک یہ بتایا گیا تھا۔ کہ جمع حدیث میں کس نے کس پر سبقت حاصل کی۔ اور کس نے کیسی خدمت کی اور پھر کس کتاب کی کس نے شرح کی ان شرحوں میں سب سے بہتر کون ثابت ہوئی۔ اور ان جوامع میں صحت کے اعتبار سے کس کا مرتبہ بلند ہے

اور متاخرین میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی مرحوم نے موطا بروائتہ امام محمد کو افضل الموطا قرار دیا ہے۔ جس کے وجوہات معقول ہیں۔ یہ ان لوگوں کی رائیں ہیں۔ جو خود محدث ہونے کے علاوہ تمام محدثین کے سرتاج ہیں۔ ایسی حالت میں کسی ایک موطا کو افضل قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے۔

دوسرے یہ کہ ایک ایسی کتاب جو اسلام کی ابتدائی تصنیف کہی جا سکتی ہے۔ اور جس کے اندر صرف مدنی صحابہ و تابعین کی حدیثیں اور ان کے فتاوی ہیں ان کتابوں سے افضل یا ان کے برابر کیسے قرار دی جا سکتی ہے۔ جو اسلامی دور کے انتہائی عروج میں لکھی گئی ہوں۔ جن میں تمام اسلامی مراکز کی صحیح اور چنی ہوئی معمول بہا حدیثیں ہوں۔ امام مالک سے ہارون نے جس وقت پوچھا تھا۔ کہ میں آپ کی کتاب میں عبداللہ ابن مسعود و ابن عباس کی حدیثیں نہیں پاتا۔ تو آپ نے یہی فرمایا تھا۔ کہ ہاں اس میں ان کی حدیثیں نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ میرے شہر میں نہیں رہتے تھے۔ اور اگر اس کے تمام حدیث کی کتابوں سے افضلیت کی صرف یہی دلیل ہے۔ کہ اسلام کی مقدم ترین کتابوں میں ہے۔ اور اہل مدینہ کی صحیح حدیثیں اس کے اندر موجود ہیں۔ تو چاہیئے۔ کہ اس دور کی سب کتابیں حدیث کی صف اول میں شمار کی جائیں۔ امام سفیان ثوری کی کتاب بھی فقہاء کوفہ کی صحیح حدیثوں اور فتاوی کی جامع تھی۔ چنانچہ ابوداؤد نے اپنے رسالے میں جو اہل مکہ کے لئے لکھا تھا۔ اس میں اس کتاب کو اصح الجوامع کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اسی طرح ابن جریج، ابن المبارک وغیرہ کی کتابیں بھی اپنے شہر کے شیوخ کی صحیح ترین حدیثوں کی جامع تھیں۔ کیونکہ ان کے جامعین بالاجماع ثقہ تھے۔ اگرچہ دست برد زمانہ نے ان کو معدوم کر دیا ہے لیکن جس زمانہ تک وہ تھیں۔ اور جو زمانہ حدیث کی جانچ پڑتال کا اعلیٰ ترین زمانہ تھا۔ اس وقت یہ اعلیٰ ترین کتابیں سمجھی جاتی تھیں۔ وہ ضعیف روایتوں کا مجموعہ نہ تھیں۔ لیکن اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا مرتبہ انہیں اسی لئے نہیں دیا گیا۔ کہ وہ مخصوص شہروں کی صحیح حدیثوں کی حامل تھیں۔ اور

مشہور کتاب "غریب الحدیث والآثار" لکھنا شروع کی، اور اپنی عمر اسی میں تمام کر دی، ان کا خیال تھا کہ اس کتاب کے بعد اب شاید ہی کوئی غریب حدیث اس کے دائرہ سے باہر رہ گئی ہو۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اور حقیقت یہ تھی کہ ابھی اس سے کہیں زیادہ سرمایۂ حدیث نامکمل صورت میں پڑا تھا۔ ان کی کتاب مسلم ابن قتیبہ الدینوری کے وقت تک لوگوں کی معتمد علیہ رہی۔ یہاں تک کہ عبداللہ ابن مسلم ابن قتیبۃ الدینوری نے اپنی مشہور کتاب لکھی اور انہوں نے بھی اپنے مقدمہ میں یہ لکھ دیا کہ میرا گمان ہے کہ میری اور ابوعبیدؒ کی کتاب کے بعد شاید کوئی غریب حدیث باقی رہ گئی ہو۔ جس کی تفصیل کی لوگوں کو حاجت پڑے۔ اسی طرح دیگر علماء بھی کتابیں لکھتے رہے۔ علامہ زمخشری نے بھی اس فن پر احسان کیئے۔ اور اپنے دور میں اس فن کی ایک بہتر کتاب ترتیب دی۔ لیکن اس فن کے آخری ہیرو مجدالدین مبارک ابن محمد بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری ہیں جنہوں نے اس فن کی تکمیل کی۔ اور ان کے بعد اس سلسلے میں تصنیف کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کی کتاب کا نام "النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر" ہے نہایہ کا ایک ذیل محمود ابن ابی بکر الارموی کا ہے۔ دوسرا جلال الدین سیوطی کا جس کا نام الدر النثیر فی نہایۃ ابن الاثیر اور ایک کا نام "التذییل والتہذیب علی نہایۃ الغریب" ہے

علم رجال الحدیث

حدیث دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ متن اور سند۔ سند کے معنی رواۃ کے ہیں۔ اور علم رجال میں رواۃ کے احوال سے بحث ہوتی ہے۔ کیونکہ حدیث کی صحت و سقم کا معلوم کرنا رجال کے علم کے بغیر ناممکن ہے اس لئے قدرتی طور پر رجال کا علم اتنا مہتم بالشان فن ہے۔ کہ اس کی واقفیت کے بغیر حدیث کی واقفیت کا دعویٰ غلط ہے۔ اسماء رجال کی بھی بہت سی شقیں ہیں۔ اسماء صحابہ، اسماء عامۂ رواۃ اسماء الثقاۃ،

اب ان تمام فنون و علوم کو معلوم کرنا چاہیئے۔ جو حدیث کے سلسلہ میں عالم وجود میں آئے۔ علم غریب الحدیث علم اسماء رجال، علم جرح والتعدیل، علم معرفۃ الکنی والالقاب علم ناسخ الحدیث و منسوخہ وغیرہ سب اسی سلسلہ کی پیداوار ہیں۔

"علم غریب الحدیث"

غریب کے دو معنی آتے ہیں۔ ایک تو غیر متبادر، دُوسرے نادر اور غیر مشہور کلام غریب میں بھی یہی دو معنی ہوتے ہیں۔ کسی کلام سے اگر اس کے غیر متبادر معنی مراد لیئے جائیں۔ تو اسے بھی معنی غریب کہینگے۔ اور اگر نادر مراد لیئے گئے ہیں۔ تو اس پہ بھی غریب کا اطلاق کیا جائیگا۔ اور علم غریب الحدیث کے معنی یہ ہیں کہ اِس فن میں حدیث کے لغات نادرہ اور تحقیق نادرے سے بحث ہوتی ہے اور بعض خاص قبائل کے مصطلحات و محاورات جو عرب میں عام طور پر بولے نہ جاتے تھے۔ اور وہ حدیث میں کسی نہ کسی طرح آ گئے ہیں۔ ان کی تحقیق ہوتی ہے

سب سے پہلے ابو عبیدہ معمر بصری نے اِس فن میں ایک مختصر سی کتاب لکھی۔ اِس اختصار کی وجہ ان کی علمی کم مائگی نہ تھی۔ بلکہ عموماً جب کوئی پہلی کتاب کسی نئے موضوع پر لکھی جاتی ہے۔ تو مختصر ہوتی ہے۔ اور دُوسرے یہ کہ جس زمانہ کی یہ تصنیف ہے۔ وہ اسلامی علوم کا زندہ دور تھا۔ اور آج کی طرح عام جہالت نہ تھی۔ اس کے بعد ابو الحسن نصر ابن شمیل المازنی نے ایک کتاب لکھی۔ جو ابو عبیدہ کی کتاب سے وسیع تر تھی۔ اور تفصیلی مباحث تھے پھر عبد الملک ابن قریب الاصمعی نے ایک کتاب لکھی۔ عبد الملک اگرچہ ابو عبیدہ کے زمانے کے تھے۔ لیکن تصنیف ان کے بعد کی ہے۔ اور بہت خوب لکھا ہے۔ اسی طرح بہتیرے علما فقہ و حدیث اِس فن میں کتابیں لکھتے رہے۔ یہاں تک کہ ابو عبید القاسم ابن سلام کا زمانہ آیا۔ اور انہوں نے اپنی

ساتویں صدی میں عزالدین ابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ نے ایک جامع کتاب لکھی جس کا نام اسدالغابہ رکھا۔ اور اگلے مصنفین کے سارے مواد اس میں جمع کر دئے لیکن اس کے ساتھ غلطیوں میں بھی اگلوں کی تقلید کی اور صحابی غیر صحابی میں اکثر غلط کر دیا۔ اور ان کی اکثر غلطیوں سے چشم پوشی کی۔ اسکے بعد ابو عبداللہ ذہبی نے اپنی کتاب التجرید میں اسکی غلطیوں سے آگاہ کیا۔ نیز جن لوگوں کو صحبت نہ تھی۔ اسے بھی آگاہ کیا۔ لیکن وہ بھی اسکی تکمیل نہ کر سکے۔ ان کے بعد حافظ ابن حجر کا زمانہ آیا تو انہوں نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ آٹھ جلدوں میں لکھی۔ استیعاب اسدالغابہ اور ان کے ذیلوں کو اس میں جمع کیا۔ اور ان پر استدراک کیا۔ بعد میں اصابہ کا اختصار ان کے شاگرد جلال الدین سیوطی نے کیا جس کا نام عین الاصابہ رکھا۔

نیز بخاری و مسلم نے ان صحابہ کے اسماء میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔ جن سے صرف ایک ہی حدیث پہنچی ہے۔ اسی طرح یحیی ابن عبدالوہاب ابن مندہ الاصبہانی المتوفی ۵۱۱ھ ہجری نے ان صحابہ کے اسماء میں ایک کتاب لکھی۔ جنہوں نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔

"علم الجرح والتعدیل"

اس علم میں راویوں کے احوال سے بحث ہوتی ہے۔ اور ان کے ثقہ غیر ثقہ ہونے پر غور کیا جاتا ہے۔ اس کی ضرورت یوں پڑی۔ کہ اسلام میں جب فتن کے دروازے کھل گئے۔ اور لوگوں نے اپنے مذاہب و خیالات کی تائید میں حدیثیں گڑھنا شروع کیں۔ تو حدیثوں کے لینے میں بڑی دقتیں ہونے لگیں۔ محدثین کرام نے عام طور پر حدیثیں سننے سے احتراز کیا۔ اور آئمہ نے ہر حدیث کے لئے دو شاہدوں کی قید لگا دی، لیکن یہ صورت ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی تھی

اسماء الضعفاء - اسماء المدلسین، اسماء الوضاعین - اسماء موتلف مختلف، متفق مفترق بیان انساب، ذکر وفیات وغیرہ - اور ان میں سے ہر ایک کے اندر تصنیفیں کی گئی ہیں -

اسماء الصحابہ

صحابی ہر وہ شخص ہے - جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے ساتھ ملاقات کی - اور ایمان ہی کے ساتھ وفات پائی - سب سے پہلا شخص جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے - کہ اس نے اس فن میں کتاب لکھی - وہ امام بخاری ہیں - خاص اسماء صحابہ میں ایک کتاب لکھی - پھر اوروں نے اس فن میں خامہ فرسائی کی - جیسے خلیفہ ابن الخیاط محدث النسابہ المتوفی ۲۴۰ھ محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ جن کی تصنیفات سے تقریباً پندرہ کتابیں ہیں - اور ان کے ہمعصر یعقوب ابن سفیان المتوفی ۲۷۷ھ ابوبکر ابن خیثمہ المتوفی ۲۷۹ھ وغیرہ اور ان کے بعد بھی صرف اسماء صحابہ میں ایک جماعت نے کتابیں لکھیں - جیسے حافظ عبداللہ ابن محمد ابن عبدالعزیز البغوی المتوفی ۳۵۳ھ ابوبکر عمر ابن احمد المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ ابو منصور الباوردی ابو حاتم الرازی ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ سلیمان ابن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ نے اپنی معجم میں ان کے بعد عبداللہ ابن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ حافظ ابونعیم المتوفی ۴۳۰ھ ان کے بعد عمر ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب لکھی - استیعاب نام اس لئے رکھا - کہ اپنے نزدیک انہوں نے اگلوں پچھلوں سبھوں کی باتیں اس میں جمع کر دی ہیں - لیکن بہت کچھ باقی بھی رہ گیا - اس کے بعد اس کا ایک وسیع ذیل ابوبکر ابن فتحون نے کیا - اور اس کے اوپر علماء کی ایک ایک جماعت نے اچھے اچھے ذیل لکھے ہیں - اسی طرح ابن مندہ کی کتاب پر بھی ابو موسیٰ المدینی نے ایک بڑا ذیل لکھا - لوگوں کی تصنیف کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا - یہاں تک کہ

عمرالقواریری جن کے متعلق اعلم بالحدیث ہونے کا فتویٰ تھا۔ اسحاق بن راھویہ جو امام خراسان واہل المشرق تھے۔ ابوجعفر محمد ابن عبداللہ بن عمار الموصلی، احمد ابن صالح حافظ مصر، ہارون ابن عبداللہ الحمال، وغیرہ ہیں۔ اور یہ سارے باتفاق ائمہ علماء جرح و تعدیل میں شمار کئے گئے ہیں۔

ان کے بعد انہیں کے لگ بھگ اس فن کا ایک اور طبقہ پیدا ہوا جن میں اسحاق الکوسج دارمی، بخاری، عجلی الحافظ نزیل المغرب، پھر ابوزرعہ ابوحاتم الرازیان، مسلم، ابوداؤد بقی ابن مخلد ابوزرعہ دمشقی وغیرہ کا نمبر ہے۔ ان کے بعد عبدالرحمن ابن یوسف البغدادی ان کی ایک خاص تصنیف بھی اس فن کے اندر ہے۔ ابراہیم ابن اسحاق الحربی، محمد ابن وضاح حافظ قرطبہ، ابوبکر ابن ابی عاصم، عبدالرحمن ابن احمد، صالح جزرہ، ابوبکر البزار، محمد ابن نصر المروزی یہ احناف کے مقابلہ میں ذرا متعصب ہیں۔ محمد ابن عثمان ابن ابی شیبہ محدثین انہیں ضعیف کہتے ہیں۔ لیکن دوسروں کی جرح و تعدیل میں انہیں موثق مانا جاتا ہے۔ (یہ بھی عجیب امر ہے) ان کے بعد ابوبکر الفاریابی، نسائی، ابویعلی ابوالحسن سفیان، ابن خزیمہ، ابن جریر طبری، ابوجعفر طحاوی، دولابی، ابوعروبۃ الحرانی ابوالحسن احمد ابن عمر، ابوجعفر العقیلی، ان کے بعد ابوحاتم احمد ابن نصر البغدادی شیخ الدارقطنی وغیرہم ہیں۔ پھر ان کے بعد ابوحاتم ابن حبان البستی، طبرانی ابن عدی الجرجانی، اور غالباً ان کی کتاب جرح و تعدیل کے فن کی آخری کتاب ہے ان کے بعد اس فن کا ایک اور سرگرم طبقہ پیدا ہوا۔ جن میں ابوعلی الحسین ابن محمد النیشاپوری جن کی ایک معلل مسند ایک ہزار تین سو جزوں کے اندر لکھی گئی، ابوالشیخ احمد ابن ۔ ن، ابوبکر الاسماعیلی، ابواحمد الحاکم، دارقطنی وغیرہ ہوئے۔ ان کے بعد ابن مندہ ابوعبداللہ الحاکم، ابونصر الکلاباذی۔ عبدالرحمن ابن قطیس قاضی قرطبہ جن کی دلائل السنۃ ایک مشہور کتاب ہے۔ عبدالغنی ابن سعید، ابوبکر ابن مردویہ الاصفہانی ان کے بعد محمد ابن ابی الفوارس البغدادی، ابوبکر البرقانی

اور صحیح، غیر صحیح کا پتہ لگانا بھی شریعت کی بقا کے لئے ضروری تھا۔ اس لئے راویوں کی عدالت و ثوق حفظ بالحدیث وغیرہ کی چھان بین ہونے لگی۔ اور یہی چیز رفتہ رفتہ ایک مستقل فن کی صورت میں قایم ہو گئی۔ حاشا اس سے مقصد لوگوں کی تنقیص نہ تھی۔ بلکہ شریعت کا استحفاظ تھا۔ جرح و تعدیل رواۃ تو خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ثابت ہے۔ لیکن جب یہ ایک مستقل فن ہو گیا۔ تو جس طرح ہر ایک فن کے لئے علماء کا ایک طبقہ ہوتا ہے۔ جس میں اس کی رائے موثق مانی جاتی ہے۔ اسی طرح اس کے لئے بھی علماء کا ایک گروہ تھا۔ جس کی رائے رواۃ کی توثیق و جرح کے لئے قابل قبول تھی۔ صحابہ میں ابن عباس، انس، عبادۃ ابن الصامت رضی اللہ عنہم تابعین میں، ابن سیرین، شعبی، سعید ابن المسیب اور ان کے علاوہ بے شمار علما تھے۔ ان کے بعد ابو حنیفہ مالک، سفیان اوزاعی ابن الماشجون حماد ابن سلمہ، لیث ابن سعد، ان کے بعد عبداللہ ابن المبارک ابن عیینہ ابن علیہ، ابن وہب، وکیع ابن الجراح، یحییٰ ابن سعید القطان عبدالرحمٰن ابن مہدی یحییٰ ابن معین احمد ابن حنبل وغیرہ۔ ان کے علاوہ ساتویں آٹھویں صدی تک بے شمار علما اس فن کے لئے مشہور گذرے ہیں۔ جن کے نام ذیل میں گنائے جاتے ہیں اصل یہ ہے۔ کہ امام مالک اور سفیان یا لیث ابن سعد کے زمانہ تک اس خاص فن میں مستقل کتابیں تصنیف نہ ہو سکی تھیں۔ لیکن ان کے بعد اس فن میں تصنیفی سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ مثلاً محمد ابن سعد کاتب الواقدی نے اپنی کتاب طبقات میں اس فن کے رجال سے بڑی بحث کی۔ اسی طرح ابو خیثمہ زہیر ابن حرب اور ابو جعفر عبداللہ ابن محمد النبیل حافظ الجزیرہ جن کے متعلق ابوداؤد کا خیال ہے۔ کہ ان سے زیادہ احفظ میں نے کسی کو نہیں پایا۔ علی ابن المدینی بھی جو اس فن کے امام ہیں۔ علل و رجال کے حالات میں ان کے بھی بہت رسالے ہیں۔ اسی صف کے بیٹھنے والوں میں محمد بن عبداللہ ابن نمیر جن کو امام احمد عراق کے موتی کہا کرتے تھے۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ صاحب المسند جو آیۃ فی الحفظ کے نام سے موسوم تھے۔ عبداللہ ابن

سی حدیثیں بنا کر صحیح و غیر صحیح کو مشتبہ کر دیا۔ لیکن اے کاش اگر وہ تھوڑی سی توجہ کے ساتھ بھی اس امر کا مطالعہ کرتے (کہ ان علماء نے جن کے اسماء اوپر گذرے) ان میں سے ہر ایک نے اصل مقصود کے چہرے سے حجاب کا پردہ اٹھا دیا ہے۔ اور ان کی پوری چھان بین کر لی ہے۔ اور آج انہیں کی برکتوں سے کوئی ایک واضع حدیث یا کوئی ایک موضوع حدیث بھی ایسی نہیں رہی۔ جس کو امت نے جان نہ لیا ہو، تم محدثین کی کتابیں دیکھو۔ کہ انہوں نے علم الجرح و التعدیل کا فن ہی اس لئے مدون کیا۔ کہ وہ راویوں کی صحیح چھان بین کریں۔ اور ہر ایک کے اخلاق سے دنیا کو روشناس کریں۔ کوئی ایک واضع حدیث بھی مجھے بتاؤ۔ جس کا وضع کسی نہ کسی وقت کھل نہ گیا ہو۔ اور دنیا نے یہ نہ جان لیا ہو۔ کہ فلاں کذاب و وضاع ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مجموعہ کلام کو محض اس لئے مشتبہ کرنا کہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے۔ جنہوں نے حدیثیں وضع کرنی شروع کر دی تھیں۔ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ اور اس کے باوجود اگر یہی کہا جائیگا۔ تو پھر علم الجرح والتعدیل کی کتابوں کو ایک جھوٹا افسانہ کہنا پڑیگا۔ اس تفصیل کے بعد ذرا اس فن کی تصنیفوں کی طرف نظر ڈالیے۔

"علم الجرح والتعدیل" میں متعدد صورتوں سے کتابیں لکھی گئیں۔ بعض ثقہ و غیر ثقہ دونوں قسم کے راویوں کے حالات میں اور بعض صرف ثقہ یا صرف ضعیف یا مدلس راویوں کے حالات میں اور بعض مخصوص کتابوں کے رجال کی تحقیق میں لکھی گئیں۔

ممزوج کتابیں

طبقات محمد ابن سعد الزہری البصری اس فن کی اعلیٰ ترین کتاب ہے۔

ابوحاتم العبدری، جرح و تعدیل کے متعلق دس ہزار رسالے ان کے شاگردوں نے
ان سے لکھے ہیں۔ حلف ابن محمد الواسطی۔ ابومسعود الدمشقی، ابوالفضل الفلکی
ان کی کتاب طبقات کے اندر سوجلدوں میں ہے۔ پھر ان کے بعد حسن محمد بن الخلال
البغدادی، ابویعلی الخلیلی وغیرہ ہیں۔ ان کے بعد ابن عبدالبر، ابن حزم اندلسیان،
بیہقی، خطیب وغیرہ داخل ہیں۔ ان کے بعد ابن ماکولا، ابوالولید الباجی نیز ابو
عبداللہ الحمیدی نے بھی ایک کتاب اس میں تصنیف کی ہے۔ پھر ان کے بعد
ابوالفضل ابن طاہر المقدسی، موتمن ابن احمد شہرویہ الدیلمی، ان کے بعد موسیٰ
المدینی، ابوالقاسم ابن عساکر ابن بشکوال، ان کے بعد ابوبکر الحازمی، عبدالغنی
المقدسی، رہاوی، ابن المفضل المقدسی، ان کے بعد ابوالحسن ابن القطان،
ابن الانماطی، ابن نقطہ، ان کے بعد ابن الصلاح، ذکی المنذری، ابوعبداللہ البرزانی
ابن الآبار، ابوشامہ، ان کے بعد ابن دقیق العید، شرف المیدومی، ابن تیمیہ رحمہ
جرح و تعدیل کے بارے میں اہل اسلام کے نزدیک متشدد سمجھے جاتے ہیں۔
اور ان کی رائے (بغیر تحقیق بلیغ قابل قبول نہیں) ان کے بعد مزی ابن سیدالناس
ابوعبداللہ ابن ایبک، ذہبی، شہاب ابن فضل اللہ مغلطائی، شریف حسین دمشقی
زین العراقی، ان کے بعد ولی العراقی۔ برہان الحلبی، ابن حجر عسقلانی بدرالدین عینی
وغیرہ اس فن کے اساطین میں گذرے ہیں۔ ان کے بعد بھی کچھ لوگ اس فن کیلئے
مستند مانے جاتے تھے۔ ناموں کی کثرت سے شاید گھبرا گئے ہوں گے۔ لیکن اگر نظر
غور سے دیکھیں۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ منکرین حدیث جو آج روایت حدیث پر غلط
وملط اور کذب و افتراکا ایک پل باندھ رہے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا رہ جاتی
ہے۔ اور یہ فتنہ جو درحقیقت مستشرقین یورپ کا پروردہ ہے۔ ہندوستان
کی سرزمین پر بھی بہت نمایاں ہو چکا ہے۔ اور اس سلسلہ میں نفس حدیث کے
وجود و صحت سے انکار کیا جا رہا ہے۔ اور اس کی دلیل فقط یہ ہے۔ کہ اسلام
میں واضعین حدیث کی ایک کثیر جماعت پیدا ہو گئی تھی۔ جن نے بہت

کتاب الضعفاء

کتاب الضعفاء للبخاری، کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی و لابی الفرج ابن الجوزی ان کی کتاب کا اختصار ذہبی نے کیا ہے۔ پھر ذہبی اور علاء الدین مغلطائی نے اس پر ایک ذیل لکھا ہے۔ کتاب الضعفاء محمد ابن عمر العقیلی و امام محمد ابن حسن الصنعانی و محمد ابن حبان البستی ابن حبان کی کتاب ان سبھوں میں جامع ہے۔ اور ابن عدی کی کامل بھی اس فن کی کامل ترین کتابوں میں ہے۔ اور محدثین کی معتمد علیہ ہے۔ اس کا ایک ذیل ابو العباس احمد بن محمد الاشبیلی نے کیا ہے۔ جس کا نام (الحافل رکھا ہے) اور حاکم، دارقطنی، علاء الدین المارد ینی نے بھی کتاب الضعفاء لکھی ہیں۔ ذہبی کی میزان الاعتدال بھی اس فن کی بہتر کتاب ہے۔ مصر اور ہندوستان دونوں ملکوں میں چھپ گئی ہے اس کا ایک ذیل حافظ زین الدین العراقی نے کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے اس میں ان راویوں کو چن لیا ہے۔ جو تہذیب الکمال میں نہ تھے۔ اور اپنی کتاب لسان المیزان میں انہیں داخل کیا ہے۔ اس فن میں ان کی دو کتابیں اور ہیں۔ تقویم اللسان، تحریر المیزان۔ ان مذکورہ کتابوں کے علاوہ اس فن میں اور بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔

کتب المدلسین

اس کی طرف سب سے پہلے امام حسین ابن علی الکرابیسی نے توجہ کی پھر نسائی نے ان کے بعد دارقطنی نے ذہبی نے اس میں ایک مختصر سی نظم لکھی۔ پھر ان کے شاگرد احمد ابن ابراہیم المقدسی نے اس نظم میں کچھ اور اشعار

اِن کی پندرہ جلدیں ہیں۔ اِس میں صحابہ و تابعین اور اسکے بعد تک کے لوگوں کے حالات مذکور ہیں۔ اِس کا ایک اختصار سیوطی نے "انجاز الوعد من طبقات ابن سعد" کے نام سے کیا ہے۔ طبقات خلیفہ ابن الخیاط، ومسلم ابن الحجاج تاریخ ابن ابی خیثمہ، بخاری کی تینوں تاریخیں پھر بخاری کی تاریخ کبیر پر مسلمۃ القاسم کا ایک ذیل اور ابن ابی حاتم کا ایک بڑا حصہ تصنیف جس میں انہوں نے امام بخاری پر تنقیدیں کیں ہیں۔ اس کے ساتھ خود ابن ابی حاتم نے ایک رسالہ جرح و تعدیل میں لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے امام بخاری ہی کی تقلید کی ہے نیز حسین ابن ادریس انصاری المعروف بابن حزم نے ایک تاریخ امام بخاری کی تاریخ جیسی لکھی ہے۔ اور علی ابن المدینی نے ایک تاریخ دس جلدوں میں لکھی۔ ابن جہان نے تاریخی اوہام کے رد میں ایک کتاب دس جلدوں میں لکھی ہے اور ان کے علاوہ بے شمار کتابیں ان کی اس خاص شق میں لکھی گئی ہیں۔

کتاب الثقات

کتاب الثقات للعجلی، کتاب الثقات لخلیل ابن شاہین کتاب ثقات لابی حاتم ابن جہان البستی، کتاب الثقات لقاسم ابن قطلو بغا الحنفی (یہ اُن لوگوں کا بیان ہے۔ جو صحاح ستہ میں نہیں) اِن کے علاوہ ذہبی ابن الدباغ ابن المفضل، ابن حجر، سیوطی نے بھی اس میں خاص طور پر کتابیں لکھیں ہیں۔

نے جمع کیا ہے۔ اور پوری صحاح ستہ کے رجال ابو محمد عبد الغنی بن عبد الواحد بن سرور الدمشقی نے اپنی کتاب الاکمال فی معرفۃ الرجال میں جمع کئے ہیں۔ اسکی تہذیب جمال الدین یوسف ابن الزکی المزی نے کی ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ جو تیرہ جلدوں میں منقسم ہے۔ اِس فن میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اور اسی فن میں اکمال التھذیب لعمر ابن علی الملقن، زوائد الرجال علی تہذیب الکمال للسیوطی تہذیب کے بہت سے مختصرات جن میں کی ایک ذہبی کی کاشف بھی ہے۔ لکھی گئیں۔ ذہبی اپنی کاشف، کے متعلق لکھتے ہیں۔ اس میں انہیں راویوں کے ذکر پر اکتفا کی گئی ہے۔ جو صحاح ستہ میں مذکور ہیں۔ اس کا اختصار مزی کی تہذیب الکمال سے کیا گیا ہے۔ اور صحیحین اور سُنن کے رجال کے علاوہ ان کی کتاب میں اور جتنے رواۃ تھے۔ ان سے کوئی بحث نہیں کی گئی۔ اِس فن کی ایک اکمل کتاب ابن حجر کی تہذیب التہذیب ہے۔ ذہبی کی کاشف سے اس کا مرتبہ بلند ہے۔ ابن حجر نے اس میں اکثر رواۃ کا ترجمہ بڑھایا ہے۔ اور جس طرح اپنی تقریب التہذیب میں اختصار سے کام لیا ہے۔ بالکل اس کے برعکس یہاں پھیلاؤ وسعت دی ہے اور ہر راوی کے ترجمہ کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اور اسی فن میں ابوالمحاسن الدمشقی نے ایک کتاب التذکرہ فی رجال العشرہ لکھی ہے۔

"وفیات المحدّثین"

یُوں تو علم رجال حدیث کے اکثر مصنفین رواۃ کے ترجمے کے ساتھ ان کے اموات کی تاریخیں بھی درج کرتے ہیں۔ لیکن علما کی ایک معتد بہ جماعت نے صرف وفیات میں کتابیں لکھی ہیں۔ ابو سلیمان محمد ابن عبد اللہ الحافظ نے سنہ ہجرت سے لیکر ۳۳۵ھ تک کے راویوں کے وفیات لکھے۔ پھر ابو محمد ابن عبد العزیز الکنانی الحافظ نے اس کا ایک ذیل لکھا۔ پھر کتانی کی کتاب پر ھبۃ اللہ ابن احمد الاکفانی

بڑھائے۔ اور علائی کی جامع التحصیل سے بہت سے ایسے ناموں کا اضافہ کیا جن کو ذہبی نے چھوڑ دیا تھا۔ پھر زین الدین عراقی نے کتاب العلائی کا ایک ذیل لکھا۔ اور اس سلسلہ میں کچھ اسماء کا اور اضافہ کیا۔ اس کے بعد ان کے بیٹے ولی الدین عراقی نے علائی کی کتاب کے ساتھ ملا کر اس کو مستقل تصنیف بناڈالا۔ اور کچھ اور نام اپنی طرف سے بڑھائے۔ اور اسی طرح ابراہیم ابن محمد الحلبی نے "التبیین فی اسماء المدلسین" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اور ان بہت سے ناموں کا اضافہ کیا جنہیں یہ لوگ چھوڑ گئے تھے۔ علائی کی پوری کتاب ۶۸ افراد پر مشتمل ہے۔ جس میں ابن العراقی نے پندرہ کا ابن الحلبی نے ۳۲ کا ابن حجر نے ۳۹ اسماء کا اضافہ کیا۔ الغرض علائی کی پوری کتاب کے افراد کی مجموعی تعداد ایک سو باون نفوس ہو گئے۔ سیوطی نے بھی ایک رسالہ اسماء مدلسین میں لکھا ہے۔

مخصوص کتابوں کے رجال

رجال البخاری لاحمد بن محمد الکلاباذی و لمحمد ابن داؤد الکردی، رجال مسلم لاحمد ابن علی المعروف بابن منجویہ و لاحمد ابن علی الاصبہانی محمد ابن طاہر المقدسی نے بخاری ومسلم کے مجموعی راویوں کو جمع کیا۔ گویا ابن منجویہ اور کلاباذی دونوں کی کتابیں ایک ساتھ جمع کر دیں۔ اور بہت عمدہ ترتیب سے جمع کیں۔ اور جابجا استدراک بھی کرتے گئے ہیں۔ نیز ان دونوں کی کتابوں کو ہبۃ اللہ المعروف باللالکائی نے بھی جمع کیا ہے۔

ابوداؤد کے راویوں کو حسین ابن محمد الجیانی، موطا کے سیوطی، مشکوٰۃ کے خود اس کے مصنف محمد ابن عبداللہ الخطیب نے جمع کئے ہیں، اور مسند ابوحنیفہ، موطا مالک، مسند شافعی، مسند احمد کے راویوں کو ابن حجر نے اکٹھا کیا ہے۔ اور سنن اربعہ، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی، ابوداؤد کے راویوں کو احمد ابن احمد ابن الکردی

کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ ثقہ کی تضعیف صادق کی تکذیب، غیر عدل کی تعدیل وغیرہ ہے۔

پہلی قسم میں علی ابن المدینی النسائی، حاکم، ابن عبدالبر اور بہت سے محدثین نے کتابیں لکھیں۔ ذہبی نے بھی کتاب المقتنیٰ فی سرد الاسماء والکنیٰ لکھا۔ یہ اس فن کی بہترین کتاب ہے۔

دوسری قسم میں ابوحاتم ابن حبان البستی ابوبکر فلکی ابن الجوزی، ابن حجر عسقلانی نے کتابیں لکھیں، ابوبکر فلکی کی کتاب کا نام منتہی الکمال ہے۔

موتلف، مختلف، متفق، مفترق اور مشتبہ اسما وانساب کا بیان

سب سے پہلے ان اصطلاحات کی تعریف معلوم کر لی جاہئے۔ کیونکہ ان باریک و دقیق فنون کے علم سے پہلے کتابوں کا علم بیکار ہے۔ اسماء و انساب میں بعض تو ایسے ہیں۔ جو کتابۃً متحد ہیں۔ لیکن تلفظاً مختلف جیسے سلام تخفیف اللام اور سلّام بتشدید اللام، اسماء اور انساب کی اس صنف کا نام موتلف و مختلف ہے، اور بعض ایسے ہیں۔ جو تلفظاً اور تکلماً دونوں حیثیتوں میں متحد ہیں لیکن مسمی کے اعتبار سے مختلف، جیسے خلیل ابن احمد کہ یہ مختلف لوگوں کا نام ہے۔ اور اس صنف کا نام متفق اور مفترق ہے۔ ان کی ایک صورت یہ ہے۔ کہ اسماء نطق اور خط دونوں میں متحد ہوں۔ لیکن آبا یا نسب کی حیثیت سے مختلف ہوں۔ یا اس کا عکس ہو جیسے محمد ابن عقیل بکسر القاف اور محمد ابن عُقیل بفتح القاف اور شریح ابن النعمان اور سریج ابن النعمان پہلا سین مہملہ اور جیم کے ساتھ اور

نے ایک مختصر ذیل لکھا۔ اور سنہ ۴۸۵ھ تک کے راویوں سے بحث کی۔ پھر اکفانی پر علی ابن مفضل المقدسی نے ذیل لکھا۔ اور سنہ ۵۸۱ تک پہنچے۔ پھر ابن مفضل کی کتاب پر عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری نے ایک بڑا ذیل تین جلدوں میں لکھا۔ جس کا نام التکملہ لوفیات النقلہ رکھا، پھر منذری کا ایک ذیل ان کے شاگرد عزالدین احمد ابن محمد نے کیا۔ اور سنہ ۶۷۴ تک کے راوی جمع کئے۔ پھر عزالدین کی کتاب کا ذیل احمد ابن ایبک الدمیاطی نے کیا۔ اور سنہ ۷۴۹ تک کے راوی جمع کئے۔ پھر ابن ایبک کے ذیل پر حافظ زین الدین عراقی نے ایک ذیل لکھا۔ اور یہ تمام تصنیفیں مہینوں اور سالوں کے اعتبار سے مرتب کی گئیں۔ حروف ہجا کی ترتیب پر نہیں لکھی گئیں۔ اور اس فن کی ایک کتاب تاریخ البرزالی بھی ہے۔ جس کا ذیل تقی الدین ابن رافع نے کیا ہے۔ اور سنہ ۷۳۷ سے لیکر سنہ ۷۷۴ھ تک کے رواۃ کے وفیات جمع کئے ہیں۔ پھر تقی الدین کے ذیل پر ابن حجر نے ایک دوسرا ذیل لکھا۔ نیز اس فن میں وفیات الشیوخ لمبارک ابن احمد الانصاری اور کتاب الوفیات لابراہیم ابن اسماعیل المعروف بالجیال بھی ہیں۔

اسماء کنیتیں اور لقبوں کی شناخت

رواۃ حدیث میں بہت ایسے ہیں۔ جو اپنے ناموں ہی سے مشہور ہیں۔ اور بہت ایسے ہیں۔ جو بجائے ناموں کے لقبوں اور کنیتوں سے مشہور ہیں۔ علماء نے دونوں طرح کے راویوں کے اسماء اور کنیتیں اور القاب لکھے ہیں۔ بعضوں نے صرف ان راویوں سے بحث کی۔ جو کنیت و لقب رکھتے ہیں۔ لیکن مشہور اپنے ناموں کے ساتھ ہیں۔ اور بعضوں نے ان کو جو لقب اور کنیتوں کے ساتھ مشہور ہوتے والوں کے اسماء لکھے، اس سے ان کا مقصود یہ تھا۔ کہ ایک راوی دوسرے کے ساتھ مشتبہ نہ ہوجائے۔ اور کسی ایک کا لقب یا کنیت دوسرے کے لئے علم نہ بنجائے

نے تھے۔ اُس کا اضافہ کیا۔ اور اسی فن میں یحییٰ ابن علی المصری المؤرخ، محمد ابن احمد الابیوردی اور عبدالرزاق المعروف بابن الفوطی، علی ابن عثمان المار دینی نے تصنیفیں کیں۔ عبدالرزاق کی کتاب کا نام تلقیح الافہام فی المؤتلف والمختلف ہے۔ اور دوسری اور تیسری قسم میں ابوبکر احمد ابن علی نے کتابیں لکھی ہیں۔ دوسری قسم میں المتفق والمفترق کے نام سے اور تیسری میں تلخیص المتشابہ کے نام سے اور خود ہی اُس کا ذیل لکھا ہے۔ جس میں اصل کتاب کی فرو گذاشتیں درج کی ہیں۔ ان کی کتاب بڑی فائدہ مند ہے۔

"علم ناسخ الحدیث ومنسوخہ"

حدیث جب معارضہ سے خالی ہو۔ تو اُس کا نام محکم رکھا جاتا ہے۔ اور اگر اسی کے مثل کوئی دوسری معارض حدیث بھی ہو۔ تو اگر دونوں حدیثوں میں جمع ممکن ہو۔ تو اس کو مختلف الحدیث کہتے ہیں، اور اگر جمع ممکن نہ ہو۔ اور ایک کا دوسرے سے تاخر ثابت ہو گیا ہو۔ تو متاخر کو ناسخ اور متقدم کو منسوخ کہتے ہیں۔

ناسخ و منسوخ حدیثوں کی شناخت میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں احمد ابن اسحاق الدیناری محمد ابن بحر الاصبہانی، احمد ابن محمد النحاس، ابو محمد قاسم ابن اصبغ، محمد ابن عثمان المعروف بالجعد الشیبانی، ہبۃ اللہ سلامہ موسیٰ ابن موسیٰ الحازمی کی کتاب کا نام الاعتبار فی ناسخ الحدیث ومنسوخہ ہے۔ ابو حفص کی کتاب کا اختصار ابراہیم ابن علی المعروف بابن عبدالحق نے ایک جلد میں کیا ہے۔ امام عبدالکریم ابن ہوازن القشیری نے بھی ایک کتاب اس فن میں لکھی ہے۔

اور دُوسرا شین معجمہ اور حاء مہملہ کے ساتھ، لیکن اِن اقسام کی شناخت بڑا دُشوار ہے۔ علی ابن المدینی کہتے ہیں۔ سب سے زیادہ تصحیف اسماء میں واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ چیز ایسی ہے۔ جس میں نہ تو قیاس چل سکتا ہے۔ اور نہ اس کے قبل یا بعد کوئی ایسی علامت ہوتی ہے۔ جس سے اس کا پتہ لگایا جا سکے دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں دو ذاتوں کے ایک ہوجانے کا گمان کیا جاتا ہے۔ جبکہ دونوں کے نام ایک ہوں۔ اور اِس صُورت سے راویوں میں خلط ہوجاتا ہے۔ محدثین نے ان میں کی ہر ایک قسم میں تصنیفیں کی ہیں۔ پہلی قسم میں ابواحمد العسکری نے ایک تصنیف کی۔ پھر عبدابن سعید نے اِس میں ایک کتاب لکھی۔ اور اُس کے دو جز کئے۔ ایک مشتبہ الاسما میں اور دُوسرا مشتبہ النسبۃ میں، اور ان کے شیخ دارقطنی نے بھی ایک جامع کتاب اِس فن میں لکھی ہے۔ پھر احمد ابن علی الخطیب نے ایک ذیل لکھا۔ جس کا نام موتلف فی تکملۃ المختلف رکھا۔ پھر ان تمام کا مجموعہ ابونصر علی ابن ہبۃ اللہ ابن ماکولا نے کیا۔ اور اس کا نام الاکمال رکھا۔ اور اگلے مُصنّفین پر استدراک کرتے ہوئے اُن کے اوہام دفع کئے۔ ان کی کتاب تمام کتابوں میں جامع ہے۔ اور تمام پچھلے محدثین کے لئے نمونہ عمل، پھر محمد ابن عبدالغنی المعروف بابن نقطۃ الحنبلی نے ایک ضخیم جلد میں اس پر اِستدراک کیا، اور ان کی فروگذاشت کو تفصیل بیان کیا۔ پھر اِس کا ایک ذیل منصُور ابن سلیم اور ابو محمد ابن علی الدمشقی نے کیا۔ اور ان دونوں کے ذیل پر علاء الدین مغلطائی نے ایک ذیل لکھا۔ لیکن اس کا اکثر حصّہ شعراء عرب کے اسماء و انساب پر مشتمل ہے۔ ذہبی نے بھی اس فن میں ایک کتاب لکھی۔ لیکن اِس میں غلطیاں کیں۔ اور اصل موضوع کے مخالف بھی بہت سی باتیں درج کردیں۔ غالباً یہ کتاب محض مسودہ ہی کی صُورت میں تھی۔ جس کی وہ تکمیل نہ کرسکے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی غلطیوں کو اپنی کتاب تبصیر المنتبہ۔ بتحریر المشتبہ میں واضح کیا۔ اور ذہبی نے جو کچھ چھوڑ دیا تھا یا جن سے وہ آگاہ ہی

ابی حاتم (ان کی کتاب بڑی بہتر کتاب ہے۔ امام مسلم امام ترمذی علی ابن عمر الدارقطنی، محمد ابن عبداللہ الحاکم، ابو علی، حسن محمد ابن الزجاجی ابن الجوزی وغیرہ نے کتابیں لکھی ہیں۔

علم مصطلح الحدیث

علوم حدیث ومصطلحات الحدیث پر غالباً جامع کتاب سب سے پہلے قاضی ابو محمد الرامہرمزی نے المحدث الفاصل بین الراوی والسامع کے نام سے لکھی۔ ان کی کتاب اپنے زمانہ کی بہترین کتاب شمار کی گئی۔ اگرچہ تمام جزئیات پر یہ بھی حاوی نہ تھی۔ پھر علماء نے اس فن میں وسعت دینی شروع کی۔ اور پہلے پہل محمد ابن عبداللہ الحاکم النیشاپوری نے اس کی طرف توجہ کی۔ اور کتاب کو پچاس قسموں پر منقسم کیا۔ لیکن ترتیب وتہذیب نہ کر سکے۔ ابو نعیم اصبہانی نے اس کا استدراک کیا۔ لیکن پیچھے آنے والوں کے لئے اُنہوں نے بھی بہت کچھ چھوڑ دیا۔ ان کے بعد احمد ابن علی المعروف بالخطیب کا دور آیا۔ اور انہوں نے قوانین الروایۃ میں ایک کتاب لکھی جس کا نام کفایۃ رکھا۔ اور ایک دوسری کتاب اداب میں جس کا نام الجامع لاداب الشیخ والسامع رکھا، علم حدیث میں شاید ہی کوئی ایسا فن باقی رہا ہو جس میں خطیب نے کوئی کتاب نہ لکھی ہو۔ ابن نقطہ نے سچ کہا ہے۔ کہ خطیب کے بعد کے تمام محدثین اس کی کتاب کے خوشہ چین ہیں۔ اور ہر انصاف پسند شخص یہی کہیگا۔ لیکن خطیب کے بعد بھی اس علم کے حصّہ دار باقی رہے۔ قاضی عیاض نے ایک بہتر کتاب لکھی جس کا نام الماع رکھا۔ ابو حفص المیانجی نے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی جس کا نام مالا یسع المحدث جہلہ رکھا۔ پھر حافظ ابو عمر عثمان ابن عبدالرحمٰن المعروف بابن الصلاح نے اپنی مشہور کتاب مقدمہ ابن الصلاح لکھی۔ جس میں پینسٹھ اصطلاحیں بیان کیں۔ (یعنی اصطلاحوں کی ۶۵ قسمیں) علمائے

علم تلفیق الحدیث

اِس علم میں دو حدیثوں کے باہم تناقض کو دفع کیا جاتا ہے۔ یا عام کو خاص بنا کر یا مُطلق کو مقید یا تعدد واقعہ پر محمول کر کے غرض تناقض دفع کرنے کی مختلف صورتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ ایسی حدیثوں کو مختلف الحدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے اس فن میں امام محمد ابن ادریس الشافعی نے ایک کتاب لکھی۔ لیکن مختصر او غیر مکمل پھر عبداللہ ابن مسلم المعروف بابن قتیبہ، ابویحییٰ الساجی، الطحاوی نے بھی اس میں کتابیں لکھیں۔ ابوالفرج ابن الجوزی نے بھی "التحقیق فی احادیث الخلاف" لکھا اس کا اختصار ابراہیم ابن علی ابن عبدالحق نے کیا۔

"علل الحدیث"

حدیث کی خرابیوں کی شناخت علم حدیث کے بہت دقیق اور باریک تر علموں میں سے ہے۔ اِس لئے اس کا شمار حدیث کے شریف ترین قسموں میں ہے اِس کی واقفیت ایسے اشخاص کو ہو سکتی ہے جنہیں خدا نے فہم ثاقب، حفظ واسع اور ایسی معرفت تامہ و ملکہ قویہ عطا کیا ہو۔ جس سے وہ رواۃ کے مراتب کی شناخت کر سکیں۔ اور متون و اسانید کی صحیح جانچ حاصل ہو۔ اِس فن کے مشکل ہونے کے سبب بہت کم شخصیتوں نے اِس میں کتابیں لکھیں۔ علل حدیث کی تعریف یہ ہے۔ کہ حدیث میں ایسے پوشیدہ اسباب ہوں۔ جو حدیث میں قدح پیدا کر دیں۔ جیسے منقطع حدیثیں موصول بنجائیں۔ موقوف مرفوع ہو جائیں۔ یا ایک حدیث دوسری حدیث میں داخل ہو جائے۔ اِسی قسم کی جتنی خرابیاں ہیں۔ سب حدیث کی صحت کے لئے مضر ہیں۔ اس فن میں علی ابن المدینی، ابن

مخصوص کتابوں کی حدیثوں کی تخریج

۱۔ احادیث کشاف لجمال الدین محمد عبد اللہ الحنفی،
۲۔ الفتح السماوی لتخریج احادیث البیضاوی للشیخ عبد الرؤف المناوی
۳۔ الطرق والوسائل الی معرفۃ خلاصہ الدلائل شرح مختصر قدوری فی فقۃ الحنفی لاحمد ابن عثمان الترکی۔
۴۔ تخریج احادیث الہدایۃ (یہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے) لمحمد ابن عبد اللہ و لعبد اللہ ابن یوسف الزیلعی،
۵۔ تخریج احادیث الشرح الکبیر فی فقہ الشافعی لسراج الدین عمر ابن علی المعروف بابن الملقن۔
۶۔ کتاب المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار لعبد الرحیم ابن الحسین العراقی۔ تخریج حدیث احیاء العلوم للعراقی۔
۷۔ ادراک الحقیقۃ فی تخریج احادیث الطریقۃ فی الموعظہ لعلی ابن حسن بن صدقۃ المصری ثم الیمانی۔ اس کے علاوہ نورالانوار، شرح عقائد نسفی کے احادیث کی بھی تخریجیں ہیں۔

علم الاسناد

اسناد کا علم دنیا میں صرف مسلمانوں سے مخصوص ہے۔ اور واقعات کا سند مسلسل سے روایت کرنا یہ خاص انہیں کا امتیاز ہے۔ اس میں مراتب

اس کتاب کی طرف پوری توجہ کی۔ کسی نے معارضہ کسی نے تائید کسی نے اختصار کسی نے شرح کسی نے استدراک۔ الغرض بڑی جماعت نے اس کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ امام نووی نے اپنی کتاب الارشاد میں اس کا اختصار کیا۔ پھر اپنی مختصر کا اختصار التقریب والتیسیر میں کیا۔ اور سیوطی نے اس کتاب کی ایک شرح تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی کے نام سے کی۔ یہ بہت اچھی شرح ہے اور حافظ زین الدین عبدالرحیم ابن حسین العراقی نے علوم ابن الصلاح کو اپنی کتاب الفیہ میں جمع کیا ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

یقول راجی ربہ المقتدر
عبدالرحیم ابن الحسین الاثری

اور ۷۶۸ھ میں اس کا اتمام کیا۔ اس کی ایک شرح سخاوی نے فتح المغیث کے نام سے کیا۔ اسی طرح ابراہیم ابن عمر البقاعی نے اس کا ایک حاشیہ لکھا۔ جس کا نام النکت الوفیہ بما فی شرح الالفیہ رکھا۔ اس میں وہ باتیں لکھی ہیں۔ جن کا استفادہ اپنے استاذ ابن حجر سے کیا تھا۔ لیکن سوء اتفاق کہ نصف سے زیادہ کی شرح نہ کر سکے۔ ایک الفیہ سیوطی نے نظم میں لکھی ہے۔ جو بہت سے فوائد کا مجموعہ ہے۔ جس کے اشعار یہ ہیں۔

ھذہ الالفیۃ تحکی الدرر فائقۃ الفیۃ العراقی
منظومۃ ضمنتھا علم الاثر فی الجمع والایجاز و اتساق

اور متنوں میں سب سے جامع متن نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر ہے۔ یہ ابن حجر کی کتاب ہے۔ مصنف نے خود اس کی ایک بہتر شرح بھی کی ہے جس کا نام نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر رکھا ہے۔ اس کتاب پر بہت سے حواشی لکھے گئے ہیں۔ اس فن میں نہایت مبسوط کتاب ظفر الامانی مولفہ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی بھی ہے۔

نام سے مشہور ہو گئے۔

بعض لوگ دوسرے خاندان سے منسوب ہیں۔ مثلاً سلیمان تیمی کہ قبیلہ تیم سے نہ تھے۔ بلکہ ان سے کثرت ارتباط نے انہیں تیمی بنا دیا۔

۳۔ جرح سند کی تحقیق | مثلاً کتاب الجرح والتعدیل میں ابن ابی حاتم سے صغدی کی توثیق کی ہے۔ اور ابن معین کا بھی یہی قول ہے۔ مگر تاریخ عقیلی میں اسکی حدیث کو موضوع بتایا گیا ہے۔ اور حقیقت میں دونوں باتیں صحیح ہیں۔ صغدی کے ثقہ ہونے میں کلام نہیں۔ لیکن عنبسہ ابن عبدالرحمن جوان سے حدیث روایت کرتا ہے۔ ثقہ نہیں۔ اس لئے محدثین مجبور تھے۔ کہ صغدی کی عدالت سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

(۴) راوی کے سن ادا اور تحمل کی تحقیق، محدثین کی عادت تھی۔ کہ حلقہ درس میں لڑکے بھی حاضر ہوں۔ اور وہ بھی حدیثیں سنیں عام طلبا کی طرح ان کو بھی اجازہ ملتی تھی۔ اب یہ دقت پیش آئی۔ کہ ان کی روایتوں کی تقسیم عمر کے اعتبار سے کرنی چاہیئے۔ فرض کرو۔ زید نہایت بزرگ ہے۔ اور اسکی عدالت عموماً ضرب المثل ہے۔ لیکن جو بات اُس نے اپنے بچپن میں سنی تھی۔ اُس کی صحت پر یقین کرنا مشکل ہے۔ ممکن ہے اس کے مطلب کو صحیح نہ سمجھا ہو۔ یا واقعہ کی خاص باتیں وہ اہم نہ سمجھتا ہو۔ اور اس لئے بیان بھی نہ کرے۔

(۵) سبب حدیث کی تحقیق۔

یعنی یہ بات کیوں کہی گئی۔ اور واقعہ کے خصوصیات کیا تھے۔ جن کی بنا پر رسول اللہ صلعم نے یہ ہدایت فرمائی۔ مثلاً حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ (گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ تھا۔ کہ ایک کافر مرا تھا۔ اور اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گھر والے تو رو رہے ہیں۔ اور میت پر عذاب ہو رہا ہے۔ راوی نے تو اصل مفہوم کا خیال نہ کیا۔ اور

جرح و تعدیل کے علاوہ حسب ذیل باتوں کا جاننا بھی ضروری ہے۔(۱) نام و کنیت و لقب کی تحقیق مثلاً حضرت ابوہریرہ کا نام عبد شمس اور عبد الرحمٰن دونوں تھا۔ پہلا عہد جاہلیت کا اور دوسرا اسلام کا) اب کوئی واقعہ اگر دو روائیتوں سے مروی ہے۔ ایک میں نام اور دوسرے میں دوسرا، اگر واقف کار نہ ہو۔ تو دونوں کو دو مختلف شخصوں کا نام سمجھیگا۔ اسی طرح ابن جریج کی کنیت ابوالولید بھی تھی۔ اور ابو خالد بھی لقب کا بھی یہی حال ہے۔ معاویہ ابن عبد الکریم الضال ایک بڑے مشہور محدث تھے۔ جو شخص اسماء رجال کی کتابوں میں ان کے فضل کا حال پڑھیگا اور پھر ان کے لقب (ضال گمراہ) کو دیکھیگا۔ اُسے تعجب ہوگا۔ کہ ایک گمراہ کو ہدایت سے کیا واسطہ لیکن اگر اسے یہ معلوم ہوجائیگا۔ کہ لوگ انہیں گمراہ (ضال) اس لئے کہا کرتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ کے راستہ میں وہ راہ بھول گئے تھے تو یہ شبہ خود بخود دفع ہوجائیگا۔ کیونکہ گم شدہ کو عربی میں ضال کہتے ہیں۔

(۲) نسب اور پیشہ کی تحقیق، مثلاً ایک روائیت میں مذکور ہے۔ عن الربیع ابن انس عن انس اور دوسری میں عن عامر بن سعد عن سعد تو ناواقف سمجھینگے۔ کہ ربیع و عامر دونوں اپنے اپنے والد سے روائیت کر رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ سعد اور انس اور شخصیتیں ہیں۔ بعض لوگوں کو شہرت عام نے باپ سے چھین کر اغیار سے منسوب کر دیا ہے۔ مقداد ابن الاسود کے والد عمرو تھے۔ اسود زہری نہ تھے۔ بلکہ انہوں نے ان کو صرف متبنیٰ کیا تھا۔ بعض لوگ ماں سے منسوب ہیں۔ مثلاً ابن عُلیّہ ان کا نام اسماعیل ابن ابراہیم ابن مقسم تھا۔ عُلیّہ اسماعیل مذکور کی ماں تھیں۔ امام شافعی جب ان کی حدیث روائیت کرتے۔ تو کہتے۔ (حدثنا اسمٰعیل الذی یقال لہ ابن علیہ) یعنی مجھ سے اس اسماعیل نے روائیت کی۔ جسے لوگ ابن علیہ کہتے ہیں۔

بعض لوگ دادا سے منسوب ہیں۔ ایک محدث کا لقب خزّ لجوتی بیچنے والا تھا۔ حالانکہ خود یہ ان کا پیشہ نہ تھا۔ بلکہ وہ اس گروہ کے خلط ملط کے سبب اِن

کہنا صحیح نہیں۔ لیکن میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ کہتا ہوں۔ کہ اصح اسانید میں اہل البیت سلام اللہ علیہم کی سند ہے۔ جو حضرت جعفر صادق عن ابیہ (علی بن الحسین زین العابدین) عن جدہ (الحسین السبط) عن علی علیہ السلام بشرطیکہ حضرت امام جعفر صادق سے روایت کرنے والا ثقہ ہو۔ حضرت احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ یہ ایسی پاکیزہ سند ہے۔ کہ اگر مریض کو پلا دی جائے۔ تو اس کو شفا ہو جائے۔ اس کو منصور باللہ نے المجموع المنصوری میں روایت کیا ہے۔ پھر حاکم فرماتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کی سند میں سب سے صحیح سند وہ ہے۔ جو اسمٰعیل بن خالد عن قیس ابن ابی حازم ہو۔ حضرت عمر کی سندوں میں سب سے زیادہ اصح وہ ہے۔ جو زہری عن سالم عن ابیہ عن جدہ ہو۔ حضرت ابوہریرہ کی اصح سند زہری عن سعید ابن المسیب عن ابی ہریرہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی اصح سند سفیان الثوری عن منصور بن المعتمر عن ابراہیم النخعی عن علقمہ عن ابن مسعود ہے۔ انس ابن مالک کی اصح سند مالک عن الزہری عن انس اہل مکہ کی اصح سند ابن عیینہ عن عمرو بن دینار عن جابر بن عبد اللہ ہے۔ اہل یمن کی اصح سند معمر بن راشد الازدی عن ہمام بن منبہ عن ابی ھریرہ ہے۔ اہل مصر کی اصح سند لیث بن سعد عن یزید بن ابی حبیب عن ابی الخیر عن عقبۃ ابن عامر ہے۔ اہل شام کی اصح سند اوزاعی عن حسان بن عطیہ عن الصحابہ ہے۔ خراسین کی اصح سند حسین بن واقد عن عبد اللہ بن بریدہ عن ابیہ[1] ہے۔

---

[1] تنقیح الانظار للعلامۃ محمد ابن ابراہیم الوزیر فی اصول الحدیث قلمی۔

صرف لفظ روائیت کردیا۔

سِلسلہ اسنادمیں اِس قسم کی بہت سی باتیں ہیں۔ جن کا جاننا بہت ضروری ہے۔ سخاوی نے ان کی ۸۰ سے زیادہ قسمیں قراردی ہیں۔ اور ہر قسم کے متعلق اہل علم نے شرح وبسط کے ساتھ کتابیں تالیف کی ہیں۔ اور امام بخاری کے اِس مشہور واقعہ بغداد میں اسی علم کا پہلو نظر آتا ہے۔ اِس نوعیت کی ایک دوسری بحث یہ بھی ہے۔ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف کثیر درکثیر صحابہ وتابعین نے حدیثیں روائیت کی ہیں۔ لیکن کس سند کو اشرف واعلیٰ کہا جاسکتا ہے۔ اس میں آئمہ حدیث کی مختلف رائیں ہیں۔ ابن صلاح محدث فرماتے ہیں۔ کہ محدثین اِس مسئلہ میں بہت مضطرب ہیں۔ امام بخاری کا خیال ہے۔ اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمرؓ ہے۔ اور عبدالرزاق اور ابوبکر بن ابی شیبہ کا خیال ہے۔ کہ اصح الاسانید زہری عن علی بن الحسین، (یعنی امام زین العابدین) عن ابیہ (امام حسین علیہ السلام) عن جدہ (حضرت علی علیہ السلام) ہے۔ احمد واسحاق کا خیال ہے۔ کہ زہری عن سالم عن عبداللہ ابن عمر عن عمر بن الخطاب اصح الاسانید ہے۔ عمرو ابن علی الفلاس، سلیمان ابن حرب علی بن المدینی کا قول ہے۔'' اصح الاسناد محمد بن سیرین عن عبیدہ السلمانی عن علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے لیکن علی بن المدینی نے اتنا اضافہ کیا۔ کہ اسی سند کو اگر محمد بن سیرین سے عبداللہ ابن عون روائیت کریں۔ تو یہ اصح الاسانید ہوگی۔ ابن معین کا خیال ہے۔ اصح الاسانید سلیمان ابن مہران الاعمش، عن ابراہیم بن یزید النخعی عن علقمہ عن عبداللہ ابن مسعود ہے۔ یہ ابن اصلاح کے اقوال تھے۔ لیکن زین الدین کا بیان ہے۔ کہ اس مسئلہ میں اور بہت سے اقوال ہیں۔ جن کو میں نے شرح الکبیر میں بیان کیا ہے۔ اور وہ بڑے فوائد پر مشتمل ہیں۔ جن کا جاننا اہل الحدیث کے لئے بہت ضروری ہے امام زین الدین کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ کسی ایک صحابی کی روائیت کو اصح الاسانید کہنا صحیح نہیں۔ اسی طرح حاکم کا بیان ہے۔ کہ کسی ایک صحابی کی روائیت کو اصح الاسانید

(الاربعین) لعبد الرحمٰن الجامی یعنی شیخ نورالدین عبدالرحمٰن ابن احمد الجامی المتوفی ۸۹۸ھ فارسی میں اس کی شرح لکھی تھی۔ لیکن کسی دوسرے مصنف نے اس کو ترکی میں منتقل کر دیا۔ شرح الاربعین للخاقانی ترکی نظم کے اندر یہ چالیس حدیثیں مع شرح لکھی تھیں۔ شرح الاربعین یسلامی ترکی، شرح الاربعین لجلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ شرح الاربعین للشیخ عبدالقادر ابن اسید محمد ابن الشہیر بقضیب البیان المتوفی فی حدود ۱۰۴۰ھ کتاب کا نام کواکب الضوء رکھا۔ شرح الاربعین للشیخ صدرالدین محمد ابن اسحاق القونوی المتوفی ۶۷۲ھ جن جوامع الکلم حدیثوں سے احکام ثابت ہوتے تھے۔ ان میں کی چالیس حدیثیں جمع کیں۔ اور ان کی شرح کی شرح (الاربعین فی الطب النبوی) الموفق الدین عبداللطیف ابن یوسف الحکیم الفیلسوف البغدادی المتوفی ۶۲۹ھ نیز ابوالعباس احمد ابن اسعد المعروف بابن العالمہ الدمشقی المتوفی ۷۵۲ھ نے بھی اُن حدیثوں کی شرح کی۔ جو طب نبوی سے متعلق تھیں۔ شرح (الاربعین القدسیہ) لحسین ابن احمد ابن محمد التبریزی اپنے مکہ، مصر، قدس، عراق وغیرہ کے قیام کے زمانہ میں بہت سے شیوخ سے حدیث قدسی سنی تھی۔ ان کو جمع کر دیا۔ اور اس کی ایک شرح لکھی۔ کتاب کا نام مفتاح الکنوز و مصباح الرموز رکھا۔ شرح اربعین امام نودی۔ شرح اربعین ابن حجر مکی جو نہایت ہی مبسوط اور مفید ہے۔ رحمۃ المحدثین ترجمہ اربعین مولانا حکیم سید حفاظت حسین پھلواروی"

"علم شرح الحدیث"

حدیث کے اِس فروعی علم میں اربعین اور اربعین کی شرحیں بھی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ میری امت کے جس شخص نے چالیس حدیثیں یاد کرلیں۔ میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہونگا۔ اور ایک روائت میں ہے کہ جس نے چالیس حدیثیں یاد کرلیں۔ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے فقیہہ اور عالم ہو کر ملیگا۔ اور ایک روائت میں ہے۔ کہ میری امت کا جو فرد چالیس حدیثیں محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے حاصل کرے۔ اور اس سے لوگوں کو حلال وحرام کی تلقین کرے۔ تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو عالم اُٹھائیگا۔ اگرچہ بعضوں نے ان حدیثوں کو ضعیف کہا ہے۔

انہیں حدیثوں کے سبب عُلماء نے مختلف قسم کی چالیس حدیثیں جمع کیں۔ اور ان کی شرحیں لکھیں۔ جنمیں (شرح الاربعین) لابراہیم ابن حسن الربعی المالکی قاضی تونس المتوفی سنہ ۴۳۲ھ ذہبی نے ان سے کچھ تحصیل علم بھی کی ہے (شرح الاربعین لابن کمال باشا شمس الدین احمد ابن سلیمان المفتی المتوفی سنہ ۹۴۰ھ اس میں وہ چالیس جمع کی ہیں۔ جو مسجع اور جوامع الکلم سے متصف ہیں۔

شرح الاربعین لابی بکر محمد ابن حسین الاجری الشافعی المتوفی سنہ ۳۶۰ھ شرح الاربعین لاسحاق القربانی المعروف بجمالی خلیفہ المتوفی سنہ ۹۳۳ھ ، شرح حدیث الاربعین لمولانا اسماعیل المتوفی سنہ ۱۰۴۲ھ اُنہوں نے اپنے مشرب کی چالیس حدیثیں جمع کیں۔ اور اس کی شرح لکھی۔ شرح الاربعین للتفتازانی المتوفی سنہ ۷۹۱ھ شرح

کہ اُنھوں نے دس ہزار حدیثیں وضع کی تھیں۔ (ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ طبع مصر)
باایں ہمہ محدثین نے ایسے تمام لوگوں کی بخوف وخطر تشہیر کر دی تھی۔ اور اُن کا کذب چھپ نہ سکا تھا۔ اور طبقات کی کتابوں میں علانیہ ان کے معائب ظاہر کر دئے۔ اور مسلمانوں کی تنبیہ کر دی گئی۔ چنانچہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے عہد میں کوفہ میں ابن ابی العوجاء جس کا اصلی نام عبدالکریم تھا۔ ۱۵۵ھ کا واقعہ ہے۔ کہ محمد بن سلیمان ابن علی گورنر کوفہ کو اس کے چال چلن کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہوا۔ تحقیقات کی تو معلوم ہوا۔ حدیث وضع کرنے میں خاص مہارت رکھتا ہے۔ گرفتار کیا گیا۔ لیکن ایک ایسے شخص کی تعزیر جو صاحب اثر و دولتمند ہو۔ عوام میں اُس کے تقدس کا شہرہ ہو۔ خلیفہ کا مُقرب اور مشہور امیر عرب معن ابن زائدہ شیبانی کا قریبی عزیز ہو۔ آسان نہ تھی۔ بایں ہمہ محمد بن سلیمان نے کچھ پرواہ نہ کی۔ اور مختلف موانعات کے باوجود بھی اسے قتل کر ڈالا۔ خلیفہ کا حکم امتناعی آیا۔ تو محمد ابن سلیمان نے ابن ابی العوجا کا سر ایلچی کے قدموں پر ڈال دیا۔ اور کہا یہ تو اس کا سر ہے۔ اور جثہ غلاظت گاہ کے پاس بد سردار ہے۔ جاؤ۔ امیر المومنین سے کہدو۔ اور لطیفہ یہ ہے۔ کہ ابن ابی العوجا کو جب اپنے قتل کا یقین ہو گیا۔ تو اس نے جل کر کہا۔
اما واللہ لئن قتلتمونی لقد وضعت اربعۃ الاف حدیث احرم فیھا الحلال واُحِلّ فیھا الحرام واللہ لقد افطرتکم فی یوم صومکم وصوّمتکم فی یوم فطرکم۔
یعنی خدا کی قسم اگر تم مجھے قتل ہی کر رہے ہو۔ تو لو سنو۔ کہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں۔ اور بہت سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا چکا ہوں۔ اور بہت سے روزے کے دنوں میں افطار کرایا۔ اور افطار کے دنوں میں روزے رکھوائے۔ (طبری جلد ۹ صفحہ ۲۸۵ کامل ابن الاثیر جلد ۶ صفحہ ۳ ذکر حوادث ۱۵۵ھ)
یہی وجوہات تھے۔ جنہوں نے محدثین کرام کو اس فن خاص کی طرف بہت مائل کر دیا تھا۔ اور بات یہ بھی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی ومذہبی

"علمِ موضوعات الحدیث"

یہ علم بھی فن حدیث کے بہت اہم علموں میں ہے۔ اور محدثین نے حدیث کی دوسری شاخوں کی طرح اس کی طرف بھی پوری توجہ کی ہے۔ اصل یہ ہے۔ کہ خلفاءِ راشدین کے دور کے بعد جب حدیث کی اشاعت بڑی کثرت سے ہونے لگی۔ اور ہر شخص بجائے خود ایک بڑا محدث و فقیہہ نظر آنے لگا۔ تو اس کا لازمی نتیجہ حدیثوں کا خلط ملط اور حدیثوں کی وضع تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو۔ کہ جو سرزمین صحیح ترین احادیث رسول صلعم کی مرکز تھی۔ وہیں کے بسنے والوں میں رسول کی طرف جھوٹی حدیث کے منسوب کرنے والے بھی موجود تھے۔ چنانچہ مدینہ جو احادیث و آثار کا مرکز تھا۔ وہاں ابن ابی یحییٰ جیسا کذاب واضع حدیث بھی تھا۔ اور کوفہ جو احادیث رسول و سیرت پیمبر کا معدن تھا۔ اور بقول اجل آئمہ حدیث، اور خصوصاً حبرِ اُمت حضرت عبداللہ ابن عباس حدیث کی بڑی تعلیم گاہ تھی۔ وہاں ابن ابی العوجا جیسا واضع حدیث بھی متوطن تھا۔ محدثین کا بیان[1] ہے۔ کہ اس وقت کی اسلامی دنیا میں چار آدمی خصوصیت کے ساتھ اس کام کے لئے مطعون تھے۔ ابن ابی یحییٰ مدینہ میں حضرت واقدی[2] بغداد میں مقاتل ابن سلیمان خراسان میں محمد ابن سعید شام میں ان کا کام یہی تھا۔ کہ رات دن وہ اس زمانہ کے بعض اہم اغراض کی بنا پر اس شغل میں رہیں۔ اور اپنی دنیا و عاقبت خراب کریں۔ اور ان کے علاوہ احمد جونباری ابن عکاشہ کرمانی ابن تیمم فریابی تھے۔ جن کے متعلق سہل ابن السری کا بیان ہے۔

---

[1] کتاب الضعفا للنسائی [2] اگرچہ واقدی کے متعلق بعض نقاد ان فن کا خیال یہ ہے۔ لیکن دوسری طرف ایک کثیر جماعت اس کے ثقہ ہونے کی قائل ہے۔ اور خود طبقات ابن سعد اور دیگر کتب سیر کے اندر اجل محدثین کے اقوال اس کی تعدیل کے متعلق موجود ہیں۔ اور ملا عبدالحی انصاری نے سعایہ میں ان کی کے متعلق تمام اقوال جمع کئے ہیں۔ اور خود بھی واقدی کی توثیق میں ابن سید الناس محدث کے ہم خیال ہیں۔

دور میں ان کے افراد کے لئے بہتیری حدیثیں وضع کی گئیں۔ اسی طرح بعض نادان دوستوں نے ان کے مقابلہ میں اہلبیت طاہرین کے مناقب میں بھی حدیثیں گڑھیں اور پھر یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے اس قدر عام ہو گیا۔ کہ اُمرا و سلاطین کے حواشی محض خلفا کو خوش کرنے کیلئے اکثر حدیثیں وضع کر دیا کرتے۔ لیکن خلفاء اسلام ہرگز ان کی اس روش سے خوش نہ ہوتے۔ اور نہ حدیثیں ان کے اشارے سے وضع کی جاتی تھیں۔ چنانچہ حاکم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مقاتل ابن سلیمان نے ایک موقع پر خلیفۃ المہدی عباسی سے کہا تھا۔ کہ اگر تمہاری خواہش ہو۔ تو میں تمہارے لئے کوئی حدیث وضع کروں۔ خلیفہ نے منع کیا۔ اسی طرح مُلا علی قاری نے موضوعات کبیر کے دیباچہ میں اور سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے۔ کہ ہارون الرشید کے پاس ایک واضع حدیث لایا گیا۔ ہارون نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس بے دین نے کہا۔ کہ میں قتل تو کیا جاؤنگا۔ لیکن وہ چار ہزار حدیثیں کہاں جائینگی۔ جنہیں میں نے بنایا ہے۔ اور وہ لوگوں میں پھیل چکی ہیں۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ تجھ کو عبداللہ ابن المبارک اور ابو اسحاق فزاری کا بھی علم ہے۔ کہ وہ دونوں موضوعات کی چھان بین کر رہے ہیں۔ اور وہ اس کا ایک ایک حرف حدیث کے مقدس مجموعہ سے نکال پھینکیں گے۔ لیکن سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہ تھا۔ کہ مذاہب اور راویوں کے اختلاف کے موقع پر بھی یہ بُری سنت جاری ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اکثر یہی ہوا کیا۔ کہ اشخاص نے ایک مذہبی نظریہ قائم کیا۔ اور اس کے متعلق ایک حدیث گڑھ دی۔ چنانچہ حاکم نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ محمد بن القاسم رئیس مرجیۂ اپنے مذہب کی تائید میں حدیثیں وضع کرتا تھا۔ کان یضع الحدیث علی مذہبھم (تدریب) اسی طرح اکثر یہ ہوا۔ کہ بعض خاص شخصیتیں جنہیں کسی خاص امام یا عالم سے رشک وحسد تھا۔ تو انہوں نے اس کے مذہب مٹانے کے لئے حدیثیں یا قرآن کریم کی غیر ماثورہ مسموع تفسیر کر دی۔ حاکم نے ابو العمار المروزی سے نقل کیا ہے۔ کہ ابو عصمت نوح ابن ابی مریم سے کہا گیا۔ کہ تم عکرمہ عن ابن عباس

تعلیمات کا بیشتر انحصار انہیں حدیثوں پر تھا۔ اس لیئے اسکی بڑی چھان بین کی جاتی تھی۔ اور تحقیقات سے جس شخص کے متعلق یہ ثابت ہوجاتا۔ تمام مسلمان اس کے دشمن ہوجاتے۔ اور پھر کوئی طاقت بھی اُسے محفوظ نہیں رکھ سکتی تھی۔ اور سچ یہ ہے۔ کہ مسلمان اگر اس تشدد کے ساتھ حدیث کی حفاظت نہ کی ہوتی تو آج حدیث کی ساری کتابوں کی وقعت مثنی اور یوحنا کی داستانوں سے زیادہ نہ ہوتی۔ اور میں تو کہوں گا۔ کہ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا۔ کہ ایسے لوگ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے حدیث کے کھرے کو کھوٹے سے ممتاز فرمایا ورنہ ان ملے ہوئے جھوٹے اور سچے موتیوں کی تمیز دنیا کی بڑی سے بڑی ناقد ہستی کے لیئے بھی بڑا ہی دشوار تھا۔ مگر اس سلسلہ میں یہ بات بھی غور کے لائق ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ہی دنوں کے بعد آخر اس طرح حدیثوں کے وضع کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اور کیوں کر یہ سلسلہ خیر القرون ہی میں اس قدر وسعت پا گیا۔ اصل یہ ہے۔ کہ ہر دور میں مختلف جماعتیں اور افراد ایسے ہوتے ہیں۔ جن کا ذہن کسی نہ کسی خاص مقصد کے ماتحت کام کرتا رہتا ہے۔ اسلام میں فتنے کی ابتداء حضرت عمرؓ کے بعد سے ہوتی ہے۔ اور یہی زمانہ ہوتا ہے جبکہ ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں عالم وجود میں آتی ہیں۔ کہیں تو بنی اُمیہ کے مناقب کی داستانیں ہوتی ہیں۔ اور کہیں دیگر صحابہ اور اہل بیت کے مناقب ہوتے ہیں۔ اور ہر گروہ اپنے اپنے خود ساختہ فضائل منوانے کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب کر دیتا ہے۔ اکثر بنی امیہ جو اخلاقی و عملی حالت کے لحاظ سے بہت زیادہ گرے ہوئے تھے۔ اور پھر ان میں کا بڑا گروہ وہ تھا۔ جو سابقون الاولون کی صف میں کسی طرح نہیں کھڑا کیا جا سکتا ہے۔ اس کو اس قسم کی روایتوں کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ کیونکہ یہی ایک ایسی تلوار تھی۔ جس کی کاٹ کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے افراد کے لیئے سب سے زیادہ لائق تسلیم یہی بات تھی۔ جو اس شکل میں پیش کی جا رہی تھی، چنانچہ بنی اُمیہ کے

جھوٹی حدیثیں اس طرح بیان کیں۔ کہ انہیں اسکی صداقت کا یقین تھا۔ اور نہ چونکہ وہ ان کو صحیح سمجھتے تھے۔ اس لئے پوری کوشش کے ساتھ اسکی روائیت واشاعت بھی کرتے تھے۔ چھٹا سبب بعض افراد نے عمداً کاذبین وضعفا سے سے روائتیں کیں اور ان کے ناموں کو (اصل معاملہ کے اخفا کے لئے) چھپایا اس لئے کذب ان سے صادر ہؤا۔ اور ترویج ان سے ہوئی، ساتواں سبب بعض افراد نے عمداً کاذبین وضعفا سے روائتیں کیں۔ اور ان کے ناموں کو اصل معاملہ کے اخفا کے لئے چھپایا۔ اس۔ لئے کذب ان سے صادر ہؤا۔ اور ترویج ان سے ہوئی۔ ساتواں سبب بعض افراد نے عمداً جان بوجھ کر جھوٹی حدیثیں روائیت کیں۔ ان میں بعض تو ایسے تھے۔ جنہوں نے اسادین جھوٹ اختیار کیا۔ یعنی ایسے لوگوں سے روائیت کی۔ جن سے سُنا نہیں تھا۔ اور بعضوں نے دوسروں کی روائیت کی ہوئی حدیث چرالی۔ اور اپنے نام سے موسوم کردی اور بعضوں نے خود اپنے دل سے حدیث گڑھ لی، پھر وضاعین کی بھی مختلف اغراض ومقاصد کے ماتحت چند قسمیں ہیں۔

اول:۔ زندیق کہ انہوں نے شریعت اسلامیہ کو باطل کرنے اور امت اسلامیہ کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کرنے کے لئے ایسا کیا۔ جیسا کہ عبدالکریم ابن ابی العوجاء نے اپنے قتل کئے جانے کے وقت کہا۔ کہ واللہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کیں۔ کہ جس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا۔ جعفر بن سلیمان کی روائیت ہے۔ کہ خلیفہ مہدی ان سے بیان کرتے تھے۔ کہ ایک زندیق نے مجھ سے کہا۔ کہ واللہ میں نے چار ہزار ایسی حدیثیں وضع کی ہیں۔ جو اس وقت لوگوں کے اعمال وافعال میں رائج ہیں۔ حماد بن زید کا بیان ہے۔ کہ زنادقہ نے آٹھ ہزار حدیثیں وضع کی ہیں

دوم:۔ کچھ جماعت نے اپنے مذہب کی تائید ونصرت کے لئے حدیثیں وضع کیں۔ اور یہ بات سالمیہ کے متعلق کہی جاتی ہے۔ چنانچہ عبداللہ ابن

قرآن کے ایسے فضائل بیان کرتے ہو۔ جو ابن عباس کے اور شاگردوں سے منقول نہیں۔ اس نے جواب دیا۔ بات یہ ہے۔ کہ لوگوں نے قرآن چھوڑ کر ابو حنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کی مغازی کو اختیار کر لیا ہے۔ اس لئے میں نے یہ فضائل کی حدیث وضع کی۔ کہ لوگ ان دونوں کو چھوڑ دیں۔ الغرض مختلف اغراض اور سیاسی حالات کے ماتحت حدیثوں کا وضع کرنا یہ ایک سنت جاریہ ہو گئی، اور ہر وہ بات جسے قوم میں وقیع اور لائق اعتبار بنانا ہوا اُس کے لئے ایک حدیث بنا دینا معمولی کام ہو گیا۔ دین کی تحریص دلاتی ہوئی لوگوں کو جنت دوزخ کی نیرنگیاں دکھائی ہوئیں۔ ان کے لئے ایک روائیت بنا ڈالی۔ اس لئے جہاں کہیں بھی تم فضائل اعمال، فضائل سور وغیرہ کی حدیثیں پاؤ گے۔ ان کا منبع بیشتر غلط ہو گا۔ سب سے زیادہ بدقسمتی یہ تھی۔ کہ بعض جماعتوں میں یہ عقیدہ قایم ہو گیا تھا۔ کہ دین کی تحریص کے لئے حدیثیں وضع کی جا سکتی ہیں۔ اور یہ ایک محمود فعل ہے۔ اس چیز کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ وضع حدیث کے مختلف اسباب پیدا ہوئے۔ پہلا سبب بعض جماعتوں نے زہد و ریاضت کو اپنا شعار بنایا۔ اور وہ یہاں تک غالب ہوئی۔ کہ حفظ حدیث کی طرف سے وہ غافل ہو گئے۔ اور صحیح و غیر صحیح کی شناخت نہ کر سکے۔ پھر اگر ان کے پاس کوئی مسودہ تھا۔ تو وہ ضائع ہو گیا۔ اور محض اپنے حفظ کے اعتماد پر روائیت کشی کی۔ دوسرا سبب، بعض افراد ایسے تھے۔ جنہوں نے حدیثیں تو روائیت کرنا شروع کیں۔ لیکن وہ علم نقل کے ماہر نہ تھے۔ اس لئے ان سے خطائیں بہت ہوئیں۔ اور بُری طرح ہوئیں۔ تیسرا سبب ثقاۃ کی ایک جماعت جو آخر عمر میں حواس باختہ ہو گئی۔ اور اس کی دماغی قوت زائل ہو گئی۔ ان کی روائیتوں میں خلط ہو گیا۔ اور جھوٹ سچ مل گئے۔ چوتھا سبب، کچھ جماعتیں جو غافل اور متساہل تھیں۔ انہوں نے محض تلقینی طور پر حدیثیں روائیت کیں اس لئے وہ صحت کے مرتبہ سے گر گئیں۔ پانچواں سبب، کچھ لوگوں نے

بیشک حسن ہے۔ لیکن ہر حسن قول وعمل، قول و فعل رسول نہیں۔ اس صورت میں ہر امر آپ کی طرف منسوب کیا جانا صریح جھوٹ ہوگا۔

پنجم:۔ بعض حضرات نے دنیاوی اغراض کے ماتحت بھی وضع حدیث کی۔ مثلاً سلاطین کی قربت اور ان میں اثر و رسوخ پیدا کرنا۔ جیسا کہ غیاث ابن ابراہیم کے متعلق منقول ہے۔ کہ ایک دفعہ وہ خلیفہ مہدی عباسی سے ملنے گیا۔ تو اُن کو کبوتروں کا شائق پایا۔ کسی نے اس سے کہا۔ خلیفہ وقت کو بھی حدیثیں سنائیے۔ اس نے ایک حدیث پڑھی۔ جس کا مفہوم یہ تھا۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ما بقت سوا ان چند چیزوں۔ تیر بازی، اونٹ گھوڑے اور پرندوں کے کسی میں جائز نہیں۔ اس میں پرندے کا لفظ صرف مہدی عباسی کی خوشنودی کے لئے وضع کیا گیا۔ خلیفہ خود ذی علم تھا۔ وہ فوراً سمجھ گیا۔ اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کیا۔ اور کہا میں ہی اس کے جھوٹ کا سبب ہوا۔ کیونکہ اس نے کبوتروں سے میری محبت دیکھ کر یہ ٹکڑا وضع کیا ہے پھر کچھ کبوتر ذبح کرا لئے۔ اور کچھ آزاد کر دئے۔

ششم:۔ کچھ لوگ ایسے تھے۔ جن کو تعصب مذہبی نے وضع حدیث پر مجبور کیا۔ جیسا مامون ہروی نے یہ حدیث وضع کی۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص نماز میں رفع یدین کرے۔ اس کی نماز باطل ہے۔ یا جو شخص نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے۔ اس کی نماز باطل ہے۔

ہفتم:۔ کچھ لوگوں نے وضع حدیث بعض اشخاص کی بیجا محبت اور بیجا بغض کی وجہ سے کیا۔ جیسا کہ مناقب اہل بیت اور خلفاء راشدین کی تنقیص میں لوگوں نے حدیثیں وضع کیں۔ یا جیسا کہ بنی امیہ نے اپنی مدح اور اہل بیت کی تنقیص میں کیا۔ یا جیسے حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی جھوٹی مدحوں میں حدیثیں وضع کی گئیں۔ حالانکہ ان کے سچے مناقب ان کے اظہار فضائل کے لئے کیا کم تھے۔

ہشتم:۔ کچھ جماعتوں نے حدیثیں اس لئے وضع کیں۔ کہ ان سے نئے عجیب

یزید المقری سے روایت ہے۔ کہ ایک بدعتی جب تائب ہوا۔ تو اس نے کہا۔ دیکھو فلاں قسم کی خاص خاص حدیثوں کو ان کے جاننے والوں سے لیا کرو۔ کیونکہ ہم لوگ جب بعض راویوں کو پسند کرتے تھے۔ تو اسے حدیث بنا لیا کرتے تھے۔ ابن لہیعہ کا بیان ہے۔ کہ ایک خارجی نے جب اپنے عقائد سے توبہ کی۔ تو کہا۔ کہ ہم لوگ جب کسی بات کو پسند کرتے تھے۔ تو اسے حدیث بنا لیتے تھے۔ اس لئے حدیثوں کو خوب غور فکر کے بعد حاصل کرو۔ کیونکہ یہ چیز دین ہیں۔ اور حماد ابن سلمہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک رافضی نے بھی توبہ کے بعد یہی کہا کہ ہم اپنی رائیوں کے مطابق حدیثیں بنا لیا کرتے تھے۔ تم لوگ ہر حدیث نہ قبول کرو ابوعبداللہ الحاکم کا بیان ہے۔ کہ محمد بن القاسم رئیس مرجیہ اپنے مذہب کی تائید میں حدیثیں وضع کرتا تھا۔

سوم: ایک جماعت ایسی تھی۔ جو ترغیب ترتیب کے لئے حدیثیں وضع کرتی تھی۔ کہ لوگ عبادات میں مشغول ہوں۔ اور برائیوں کو ترک کریں۔ اور غالباً دن رات کی یہ ساری غیر مشروع عبادت و نوافل کی حدیثیں انہیں حضرات کی وضع کردہ ہیں۔ ابوعبداللہ نہاوندی کا بیان ہے۔ کہ میں نے خلیل کے غلام سے پوچھا۔ یہ رقاق کی حدیثیں تم کہاں سے بیان کرتے ہو۔ اس نے کہا۔ میں نے یہ حدیثیں وضع کی ہیں۔ اور اس سے مقصود لوگوں میں خشیت الٰہی کا پیدا کرنا ہے۔ محمد بن عیسی الطباع کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے ابن مہدی کو میسرہ سے یہ کہتے سنا۔ کہ تم فضائل سور کی اتنی حدیثیں کہاں سے بیان کرتے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ میں نے لوگوں کو رغبت دلانے کے لئے انہیں وضع کیا ہے۔

چہارم: کچھ لوگوں نے ہر اچھی بات کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سند کر دینا۔ جائز کر دیا۔ ان کا خیال تھا۔ کہ ہر حسن امر شرعی ہے۔ اس لئے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں حالانکہ انہیں یہ سمجھنا چاہیئے تھا۔ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل

لکھی۔ اور جلال الدین سیوطی نے انکی موضوعات کی وہ سب حدیثیں ایک جگہ جمع کر دیں۔ جو حقیقتاً موضوعہ تھیں۔ اور جن میں کی اکثر سنن اربعہ اور مستدرک حاکم میں موجود تھیں۔ اور اس کا نام التعقبات البدیعات علی الموضوعات رکھا۔ اور اس کے بعد پھر اسی کتاب کی تلخیص بعض دیگر اضافوں اور تنقیدوں کے ساتھ کی۔ اور اس کا نام اللالی المصنوعہ فی الاخبار الموضوعہ رکھا۔

اسی لیئے علماء اسلام میں اکثر کا خیال ہے۔ کہ ابن جوزی نے اپنی یہ موضوعات لکھ کر اپنی شدت کو پورا آشکارا کیا۔ اور اس خاص امر میں چند مخصوص علماء ہیں۔ جن کی رائیں حدیث کی صحت و سقم میں بغیر غور و فکر کے قبول نہ کرنا چاہیئے ابن جوزی، صنعانی، جورقانی مجد الدین فیروزابادی علامۃ ابن تیمیہ یہ ہستیاں باتفاق علماء امت متشددین فی الروایۃ میں ہیں۔ اور بے دھڑک جس حدیث کو چاہتے ہیں۔ ضعیف اور موضوع بنا دیتے ہیں۔ ابن جوزی کی شدت کا پتہ تو ان کے موضوعات سے لگا۔ اور جورقانی کا ان کی اباطیل سے باقی رہے۔ ابن تیمیہ یا مجد الدین فیروزآبادی صاحب قاموس و سفر السعادۃ وغیرہ تو ان کی ساری تصنیفیں اس پر دال ہیں۔ اور یہی حضرات ہیں۔ جنہوں نے رد شمس اور حدیث ثقلین جیسی حدیثوں کو موضوع ٹھہرایا ہے۔

ابن جوزی کی موضوعات کے علاوہ موضوعات ابن عبد البر، موضوعات ملا علی قاری (المصنوع فی احادیث الموضوع) موضوعات سخاوی، موضوعات شاگرد سخاوی قلمی تمییز الطیب من الخبیث" یہ کتاب میرے ذاتی کتبخانہ میں موجود ہے۔ موضوعات شوکانی، موضوعات مولانا عبدالحی فرنگی محلی وغیرہ بھی فن کی اس خاص شق میں لکھی گئی ہیں۔ اور ان کے اندر وہی حدیثیں درج ہیں۔ جن کی نسبت موضوع ہونے کا شبہ یا یقین تھا۔ اگلے محدثین اس خاص فن میں اتنی احتیاط کرتے۔ کہ جس راوی کے متعلق وضع حدیث کا ذرا بھی شک ہوتا پھر تمام عمر کے لیئے اسکی ساری روائتیں مردود تھیں۔ نیز جلال الدین سیوطی

معلومات کا اضافہ ہو۔ اور عوام کے دلوں میں ان کی علم دانی کا سکہ بیٹھے۔ اور یہ جاہل واعظ اور ناسمجھ مقرروں کا کام تھا۔ کہ لوگوں کو جنت دوزخ کے جھوٹے قصے اور معراج کے جھوٹے دل خوش کن واقعات سُنایا کرتے تھے۔ حالانکہ علم وفضل سے کوسوں دور تھے[1]

حدیث موضوع کی پوری بحث معلوم کر لینے کے بعد اس فن کی کتابوں کی طرف آنا چاہیئے اس فن کی سب سے بڑی کتاب موضوعات الکبری ہے۔ یہ چار جلدوں میں ہے مصنف نے اس کے شروع میں چار باب قائم کئے ہیں۔ پہلا جھوٹ کی برائی میں دوسرا حدیث من کذب علی متعمداً الخ کے بیان میں تیسرا اس بات کے بیان میں کہ رجال کا نقد بہت ضروری چیز ہے۔ اور چوتھا کتاب کے دیگر مطالب میں یہ کتاب درحقیقت پچاس کتاب کے مطالب کا نچوڑ ہے۔ اسکے مصنف دنیائے اسلام کے مشہور عالم و محدث اور نجوبہ روزگار واعظ علامہ ابن الجوزی ہیں۔ اپنے نزدیک ابن جوزی نے ساری موضوع حدیثوں کو اس میں اکٹھا کیا ہے لیکن ابن صلاح جیسے فرزانہ محدث اور ان کے متبعین کا خیال ہے کہ ابن جوزی کی یہ کتاب بہت ایسی احادیث کو بھی موضوع ٹھہراتی ہے۔ جو ضعیف اور بعض حیثیتوں سے حسن کا درجہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ اپنی الفیہ کے بعض اشعار میں اس کا اظہار بھی کیا ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی اپنی کتاب الذب عن مسند احمد میں ان حدیثوں کو جمع کیا ہے۔ جو مسند میں تھیں۔ لیکن ابن جوزی نے انہیں اپنی کتاب میں موضوع ٹھہرا دیا تھا۔ اور مزید براں ابن جوزی نے بعض ایسی حدیثیں موضوع قرار دیدیں۔ جن کی تخریج مسلم نے کی تھی۔ سخاوی نے لکھا ہے کہ ابن الجوزی نے اپنی شدت میں آکر بعض صحیحین کی حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر وغیرہ کا خیال ہے۔ کہ ابن جوزی کی یہ بہت بڑی غلطی اور جرأت ہے۔ جس کا انہوں نے اپنی کتاب میں ارتکاب کیا ہے انہیں خرابیوں کو ملحوظ رکھکر ابن حجر نے ان کی موضوعات کی تحقیق میں ایک کتاب

[1] الآثار المرفوعہ فیما یتعلق بالاحادیث الموضوعہ لمولانا عبدالحی الفرنگی محلی الانصاری

چند مفید کتب

شفاء السقام کا اردو ترجمہ

شیخ الاسلام علامہ تقی الدین سبکی کی معرکۃ الآرا کتاب شفاء السقام فی زیارت خیر الانام کا تصوف اور علمی دنیا میں جو مرتبہ ہے وہ کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ ایک عرصے سے اس کتاب کے اردو ترجمہ کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔ الحمد للہ کہ یہ بڑا کام بڑی خوبی کیساتھ پورا ہو گیا۔ ترجمہ کیساتھ ساتھ مصنف علامہ کے سوانح حیات اور ایک مبسوط دیباچہ کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ علامہ سبکی نے درحقیقت یہ تصنیف علامہ ابن تیمیہ کے بعض نرالے معتقدات کے تردید میں لکھی ہے۔ جن مسائل میں اس کتاب کے اندر خاص طور پر بحث کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض سے خود شیخ ابن تیمیہ کو بھی اختلاف نہیں ہے، اور وہ حسب ذیل ہیں، زیارت قبور، استمداد توسل، تشفع، حیات انبیاء و شہداء، مقام محمود، اقسام شفاعت ادعیہ ماثورہ وغیرہ اتنے مواد یکجا اس کتاب کے سوا دوسری جگہ نہیں مل سکتے ہیں، ترجمہ کی زبان بہت سلیس ہے۔ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ اور اب بہت کم نسخے رہ گئے ہیں۔ علم دوست حضرات کو جلد از جلد متوجہ ہونا چاہئے۔ نیز بک ایجنسیاں بھی جلد اسکی طرف متوجہ ہوں۔ اور حضرت مولانا سے اس کی دوسرے اڈیشن کے متعلق گفتگو کریں۔ قیمت ایک روپیہ

حیات احمد بن حنبل رح

دنیائے اسلام جن چار اماموں کی نام لیوا ہیں۔ ان میں ایک حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ اردو زبان میں ابتک حضرت امام ابو حنیفہ امام مالک، امام شافعی رح کے حالات زندگی آچکے ہیں۔ لیکن حضرت امام احمد رح کی کوئی سوانحعمری نہیں لکھی گئی بڑی ضرورت تھی۔ کہ حضرت امام احمد کے حالات زندگی بھی اردو کا جامہ پہن لیں۔ اس کتاب میں امام احمد رح کے پورے حالات زندگی آپ کی تحصیل علم، شیوخ حدیث، تقوی مسئلہ خلق قرآن میں بے نظیر ثبات قدمی، آپکے صبر و استقلال کی نظائر بادشاہوں کے مقابلہ

نے ایک اور چھوٹا سا رسالہ اِس فن میں لکھا ہے۔ جس کا نام دار المنشرہ ہے اور یہ بھی میرے کتب خانہ میں قلمی موجود ہے۔ اور موجودہ دور سے کچھ پہلے ہندوستان کے مشہور عالم مولانا انوار اللہ حیدر آبادی مرحوم نے بھی بایماء حضرت حاجی امداد اللہ علیہ الرحمۃ ایک رسالہ موضوع احادیث کی شناخت میں لکھا ہے۔ جس کا نام الکلام المرفوع فیما یتعلق بالاحادیث الموضوع رکھا ہے۔ یہ رسالہ بھی چھپ گیا ہے۔

تمام شد

(نگینہ پریس لاہور باہتمام محمد حسین دردی پرنٹر چھپوا کر مولانا ناصر الدین پبلشر نے شاہی مسجد سے شائع کیا)

ہیں حق کی حمایت، پھر ہمہ مباہات پر تو زور دیا گیا اور حضرت ... نماز ... کہتے جانا تمام
باتیں بڑی تفصیل سے بیان ہوئی ہیں جو ... کے مجاہدین ... کے لئے یہ کتاب
بہترین بصیرت ہے۔ تمام مسلمانوں کو بلا امتیاز اس کی حرف بحرف مطالعہ ہونا چاہئے قیمت ۸ر

علوم الحدیث

حدیث اپنی گوناگوں ... کے باعث ... ایک بڑا مرتبہ رکھتی ہے وہ
کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں لیکن اب تک عربی ... رسالے ہیں اور
چھوٹے چھوٹے رسالوں کے جو اپنے باب میں ناکافی ہیں علم حدیث کی مفصل تاریخ کی طرف کوئی توجہ
نہ کی گئی۔ الحمدللہ کہ یہ بڑا کام بھی کافی تحقیق و تدقیق کے ساتھ عربی وغیرہ کی ماخذوں سے بڑی مدہ ریزی
عرق سوزی کے بعد تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس میں سب سے پہلے ضرورت حدیث و سنت کی تعریف
اسکے اقسام بیان کئے گئے ہیں۔ پھر سنت کے ثبوت کے مختلف زمانے ... نکل کر ... میں آنے کی
وجہ اور نفس حدیث کے جزو دین ہونے کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ کیونکہ اس دور میں ایک نیا فتنہ
انکار حدیث کا بھی پیدا ہو گیا ہے۔ جو حدیث کے جزو دین ہونے سے انکار کرتا ہے۔ حدیث کے
جزو عقائد ہونے پر اس کتاب میں نہایت مدلل ... دلائل دیئے گئے ہیں۔ پھر علم
حدیث کے ہر ایک مدون شاخ کی توضیح و تشریح کی گئی ہے اور بیان حدیث میں صحابہ کے
مسلک کی توضیح بھی ہے۔ اور علم الجرح والتعدیل، علم غریب الحدیث، علم ناسخ الحدیث
ومنسوخہ، علم الاسماء ... والکنی والالقاب، علم ... الحدیث وغیرہ بحثوں سے پوری
بحث کی گئی ہے خلاصہ یہ کہ اب تک اردو زبان میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ کتاب
دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ موجودہ دور میں علماء طلباء اور عام مسلمانوں کے لئے اس کا مطالعہ
بیحد مفید ہے۔ یہ ایک ایسی عجیب و غریب کتاب ہے۔ جو منکر حدیث کو پوری طرح قائل
کر سکتی ہے۔ اور حدیث کے معلومات کے لئے بہترین و بیش بہا ذخیرہ ہے۔ قیمت عہ

ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت ہی مفید کتابیں ہیں مثلاً باطل شکن، میلادالرسول،
وغیرہ بھی حضرت خطیب صاحب شاہی مسجد لاہور کے پتہ سے مل سکتی ہیں۔